۸۱
سلسلہ مطبوعات مکتبہ دار المعارف الہ آباد

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

روح البیان

3

جلد دوم

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی قدس سرہ

مکتبہ دار المعارف الہ آباد
ادارہ معارف مصلح الامت الہ آباد

یادداشت

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

روح البیان

حصۂ سوم

مواعظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتبہ

مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از

مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الٰہ آبادی

ناشر

مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد

ادارہ معارف مصلح الامت الٰہ آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : روح البیان (حصہ سوم)

صاحب مواعظ : عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ

مرتب : مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ

اضافات از : مولوی محمد عبداللہ قمر الزمان قاسمی الہ آبادی

تعداد صفحات : ۲۷۲ تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

ماہ وسنہ اشاعت : بار چہارم : ذوقعدہ سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق فروری سنہ ۲۰۰۰ء

بار پنجم : محرم الحرام سنہ ۱۴۳۳ھ مطابق دسمبر سنہ ۲۰۱۱ء

کمپیوٹر کتابت : فضل محمود فلاحی

ناشر : مکتبہ دار المعارف الہ آباد، ادارہ معارف مصلح الامتؒ الہ آباد

قیمت :

ملنے کے پتے:

☆......مکتبہ دار المعارف الہ آباد، بی/۶۳۹ وصی آباد، الہ آباد، یوپی، ۲۱۱۰۰۳

☆......مکتبہ فیضان قمر ٹائم ٹو ٹائم دکان نمبر ۷ ایس ڈی چال، بہرام باغ روڈ، جوگیشوری، ممبئی

☆......مکتبہ رحمانیہ، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، محمود نگر کنتھاریہ، بھروچ، گجرات

☆......قاضی بکڈپو، بالمقابل بڑی مسجد (مرکز) رانی تلاؤ، سورت، گجرات ۳۹۵۰۰۳

☆......کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی ☆ مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ سہارنپور

☆......مکتبہ البلاغ دیوبند ☆ مسعود پبلشنگ ہاؤس، دیوبند ☆ مکتبہ نفیس، محمد علی روڈ، مالیگاؤں، ناسک

☆......الفرقان بکڈپو، ۱۱۴/۳۱ نظیر آباد، لکھنؤ ☆ مکتبہ الغزالی، مدینہ چوک، سرینگر، کشمیر ۱۹۰۰۰۱

فہرست مضامین

نمبر	عناوین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۶
۲	پیش لفظ: از مولانا عمار احمد صاحب زید مجدہ	۷
۳	مقدمہ: شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب زید مجدہ	۱۸
۴	تحریر گرامی: حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری	۳۹
۵	تأثر: مخدوم ومکرم حضرت الحاج ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی	۴۳
۶	حمد: از عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ	۴۶
۷	پہلا بیان: خطبۂ مسنونہ میں بھی ہمارے لئے ہدایت ہے	۴۷
۸	دوسرا بیان: مقام رسالت	۸۱
۹	تیسرا بیان: صحابۂ کرام: حق کا معیار	۱۱۹
۱۰	چوتھا بیان: قرب خداوندی کا ذریعہ	۱۴۹
۱۱	پانچواں بیان: صحبت صالحین کی ضرورت واہمیت	۱۷۵
۱۲	چھٹا بیان: حاملین قرآن کی ذمہ داریاں	۱۹۹
۱۳	ساتواں بیان: موت ایک پُل ہے....	۲۳۹
۱۴	آٹھواں بیان: مدرسے دینی قلعے	۲۶۵

عرض ناشر

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ حضرت مرشدی مولانا محمد قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق روح البیان حصہ اول و دوم کی طباعت کا اہتمام کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ دونوں حصے طبع بھی ہوگئے جن کو ناظرین بے حد پسند فرمارہے ہیں، اب آپ کے ہاتھوں میں حصہ سوم ہے، دعا کریں اللہ تعالیٰ حسن قبول سے نوازیں اور امت کو نفع عطا فرمائیں اور صاحب مواعظ عارف باللہ حضرت مرشدنا مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خوب ہی خوب اجر و ثواب سے بہرہ ور فرمائیں اور درجات عالیہ سے مشرف فرمائیں۔ (آمین)

ماشاء اللہ مکرم مفتی زین الاسلام صاحب استاذ مدرسہ بیت المعارف الہ آباد اور عزیزم مولانا فضل محمود صاحب اور عزیزم مولانا عبد العزیز صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس کی تصحیح فرمائی اور عنوانات قائم کئے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

والسلام

محمد اقبال پٹیل،

حال مقیم لوساکا، زامبیا

ذوقعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق فروری ۲۰۰۱ء

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ، اَمَّا بَعْدُ !

حضرات اہل اللہ کے ارشادات وملفوظات کی افادیت ونافعیت ایک ایسی واضح حقیقت ہے جو محتاج بیان نہیں، بزرگان دین اور سلف صالحین کے کلام میں جابجا اس کی تحضیض وترغیب موجود ہے۔

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اہل اللہ کا کلام نامرد کو مرد، اور مرد کو شیر مرد بنادیتا ہے'' یعنی پابند ہوا و ہوس کو نفس کی غلامی سے نکال کر اللہ ورسول کی غلامی میں داخل کرتا ہے اور عبدیت کا قلادہ اس کی گردن میں ڈال کر صراط مستقیم پر لا کھڑا کرتا ہے، اور جو لوگ صراط مستقیم پر گامزن ہیں ان کو اللہ ورسول کی محبت میں سرشار کر کے ان کے قلوب میں شعلہائے عشق کو بھڑکا دیتا ہے کیونکہ اہل اللہ کے نزدیک مرد وہی کہلاتا ہے جو نفس کی غلامی سے چھوٹ کر ہوا و ہوس کی قید سے آزاد ہو چکا ہو جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

خلق اطفالند جز مست خدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

یعنی اللہ کے عاشق کے سوا سب لوگ بچے ہیں، اور جواں مرد وہی ہے جو ہوائے نفسانی کی قید سے چھوٹ چکا ہو۔

اور حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ؎

محفل میں آج ساز محبت کو چھیڑ کر　　جو اہلِ عشق ہیں انہیں تڑپا رہے ہیں ہم
ہر چیز کو نگاہِ محبت سے دیکھ کر　　طوفان بحرِ عشق میں اب لا رہے ہیں ہم

اسی طرح حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "تعلیم الدین" میں شیخ قوام الدینؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :

"اے درویش محک و معیار این کار کتاب و سنت و سیر سلف است کہ اہل اقتداء بودند"۔

یعنی طریق کی اصل کسوٹی اور معیار کتاب و سنت ہے اور ان اسلاف کی سیرت ہے جو کتاب و سنت کی اقتداء کر کے اس راہ میں مقتدیٰ ہوئے۔

اس میں کتاب و سنت کے ساتھ اسلاف کی سیرت کو بھی معیار طریق اسی لئے قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک سیر خلف ہی میں نظر آسکے گی اور کتاب و سنت کی شرح انہی کے ارشادات سے ہو گی۔

نیز اہل اللہ کے کلام میں عشق و محبت کی وہ گرمی و چاشنی پوشیدہ ہوتی ہے جو اغیار کو دل سے نکال کر نسبت مع اللہ کے نور سے دلوں کو معمور اور شراب محبت سے مخمور کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اتباع شریعت اور تاسی بالنسبت کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے، اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت اور آخرت پر یقین میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح اسلاف کی سیرت کے مطالعہ سے ان کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہونے کو جی چاہتا ہے اور دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا،

اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا اور ماسوی اللہ کا لاشئی محض ہونا اس طور پر دلنشین ہو جاتا ہے کہ انسان پر فکر آخرت غالب آجاتی ہے اور اس کو سفر آخرت کے لئے کمربستہ و مستعد کر دیتی ہے پھر رفتہ رفتہ دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے، اور اعمالِ صالحہ کی طرف مرغوبات طبعیہ جیسی رغبت اور معاصی سے مکروہات طبعیہ جیسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے، گویا جو تاثیر اہل اللہ کی صحبت میں رکھی گئی ہے وہی چیز ان کے ارشادات میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ ان کے کلام میں ان کی کیفیات قلبی اور نسبت باطنی کے انوار شامل ہوتے ہیں۔ کما قیل ؎

شیخ نورانی زرہ آگہ کند　　با سخن ہم نور را ہمرہ کند

یعنی شیخ نورانی طریق وصول الی اللہ سے واقف بھی کراتا ہے اور اپنے کلام کے ساتھ نور کو بھی شامل کرتا ہے، اسی طرح کسی اہل دل نے کیا خوب بات فرمائی ہے ؎

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ درو
یک دو کس دو نفس بہر خدا بنشینند

یعنی جس سرزمین پر کچھ لوگ چند ساعت اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، اس کی رفعت کے آگے بلند و بالا آسمان بھی سر نیاز خم کر دیتا ہے۔

سبحان اللہ! اس میں مجالس اہل اللہ کی جیسی کچھ عظمت و رفعت اور قدر و منزلت مذکور ہے وہ ظاہر ہے واقعی جس جگہ اللہ و رسول کا ذکر ہو، اہل اللہ کے تذکرے ہوں، بزرگان دین اور سلف صالحین کی سیرت کا بیان ہو وہ فلک اور

ملک سبھی کے لئے باعث صد رشک ہے، چنانچہ حضرت مرشدی بقیۃ السلف دامت برکاتہم فرماتے ہیں ؎

ہر دم یہاں آتی ہیں بہاروں پہ بہاریں
صد رشک گلستاں ہے گلستانِ محبت

اور فرماتے ہیں ؎

واللہ ترے فیض سے بارانِ محبت　　ہے آج بھی سرسبز گلستانِ محبت

اسی بنا پر بزرگان دین نے جس طرح صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام فرمایا ہے اسی طرح ان کے ارشادات کی افادیت ونافعیت کو بھی واضح فرمایا ہے اور اس سے شغف رکھنے کی جانب امت کو متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اہل اللہ کے ارشادات کو ان کا سچا جانشین اور ان کی صحبت کا نعم البدل قرار دیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فنابت عنهم رسائلهم بعد موتهم فی نصح المریدین

یعنی اہل اللہ کی تصنیفات ان کی وفات کے بعد مریدین کی نصیحت وتربیت میں ان کی نیابت کرتی ہیں۔

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے ایک مکتوب میں کسی طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ :

"صحبت شیخ کامل کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے، اس کی نظر دوا اور اس کا کلمہ شفا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں جادۂ مصطفویہ پر ثابت قدم رکھے کیونکہ یہی

امر مدار نجات اور ذریعۂ سعادت ہے" (تجلیات ربانی ج ۱ ص ۴۳)

سبحان اللہ! ان ارشادات سے صحبت اہل اللہ کی اہمیت وضرورت کے ساتھ ساتھ ان کے ملفوظات وارشادات کی افادیت ونافعیت بھی بخوبی معلوم ہوئی، اسی لئے ہر زمانہ میں اکابر کے مواعظ وملفوظات کے ضبط کرنے کا سلسلہ قائم رہا جس سے ان کی تعلیمات کتابوں میں محفوظ ہیں، اور مرور دہور کے باوجود آج بھی ان کی یاد تازہ اور ان کے فیوض وبرکات کا سرچشمہ جاری ہے، اس طور پر گویا وہ حضرات آج بھی زندہ ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت اپنی تعلیمات کی روشنی میں زندہ وتابندہ رہیں گے، اور ان کی یہ تعلیمات بھی زندہ رہیں گی اور یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

یعنی جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہو گیا وہ کبھی مردہ نہیں ہو سکتا ہمارا دوام صفحۂ ہستی پر ثابت ہو چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کی یاد بس جاتی ہے اس کو حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے، اسی مضمون کو ہمارے حضرت پرتاپگڈھی دامت برکاتہم نے عجیب وغریب انداز سے بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

رہا جو یاد میں ان کی سدا رطب اللسان ساقی
تو کیوں آخر نہ پائے وہ حیات جاوداں ساقی
نہ کیوں قربان کردیں رند تجھ پر اپنی جاں ساقی
بنایا تو نے جب قطرہ کو بحر بیکراں ساقی
ملا کب جام؟ جب قربان کردی اپنی جاں ساقی
یہ سودا پھر بھی ارزاں ہے نہیں ہرگز گراں ساقی
جو اہل دل ہیں ان پر یہ حقیقت ہے عیاں ساقی
مرے اشعار میں پنہاں ہیں اسرار نہاں ساقی
مٹا سکتا نہیں کوئی مرا نام ونشاں ساقی
کرم سے آپ جب خود ہی ہیں میرے پاسباں ساقی
مقام عشق ہے سمجھے گا اس کو رازداں ساقی
میں وہ میخوار ہوں جس کا ہے اب سارا جہاں ساقی
سناتا میں بھلا کیا عشق کی یہ داستاں ساقی
پس پردہ کوئی رہتا ہے ہر دم نغمہ خواں ساقی
بنایا ہے کسی نے جب سے اپنا رازداں ساقی
رہا باقی نہ پھر کوئی حجاب درمیاں ساقی
کسی کی یاد میں جینا کسی کی یاد میں مرنا
اسی میں ہے نہاں آرامِ دل آرامِ جاں ساقی

کوئی اس لطف کو احمؔد سے پوچھے کوئی کیا جانے
کبھی ہے مہماں ساقی کبھی ہے میزباں ساقی

بلاشبہ حضرت بقیۃ السلف شیخ المشائخ مولانا و مرشدنا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی دور حاضر میں اسوۂ نبویہ کی حامل اخلاق محمدیہ کی زندہ مثال ہے اور یقیناً آپ اولیاء سابقین وسلف صالحین کی مجسم یادگار ہیں، تواضع وانکسار آپ کا طرۂ امتیاز اور شفقت ومحبت آپ کا سراپا ہے آپ کی زندگی سلف کا نمونہ، آپ کی مجلسیں قلوب کی دوا، آپ کی صحبت روح کی غذا، آپ کی ہم نشینی امراض قلوب کے لئے موجب شفا ہے، آپ کا ہر ملفوظ آب زر سے لکھے جانے کے قابل، اور آپ کا ہر قول وعمل حرز جان بنانے کے لائق ہے آپ کے مواعظ میں حق تعالیٰ نے عجیب وغریب تاثیر رکھی ہے جس کا سامعین کے قلوب پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔

حضرت والا اپنی انہی خصوصیات کی بنا پر اکابر وقت کی نظروں میں مقبول ومحبوب ہیں اور ان کے قلوب میں آپ کا ایک خاص مقام ہے اور آپ کی ذات گرامی دور حاضر میں مرجع خاص وعام ہے، آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں مخلوق خدا ٹوٹ پڑتی ہے اور لوگ پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوتے اور آپ کے ارشادات سے مسحور ومخمور نظر آتے ہیں۔

یقیناً خوش نصیب ہے وہ سرزمین جہاں اللہ ورسول کا ذکر ہو اور سعادت مند وخوش بخت ہیں وہ لوگ جن کے گھروں پر اہل اللہ کا ورود مسعود ہو اور انہیں

ان حضرات کی خدمت کا موقع نصیب ہو، انہی خوش بختوں میں ہمارے محترم حکیم محمد افہام اللہ صاحب بھی ہیں، موصوف کے دولت کدہ پر اکثر وبیشتر اکابر امت کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے، چنانچہ فروری ۱۹۶۵ء میں حضرت مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ علی گڈھ تشریف لے گئے اور آپ کی معیت میں علماء وصلحاء کی ایک جماعت بھی وہاں پہنچی اور موصوف کے دولت کدہ ''انونہ ہاؤس'' میں قیام فرمایا، اثنائے قیام صبح وشام مجالس کا سلسلہ جاری رہا جس سے تمام اہل شہر، بالخصوص یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء فیضیاب ہوئے، اور ایک حلقہ حضرت کی طرف رجوع ہوا اور بہتوں کی اصلاح ہوئی۔

اسی طرح حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی تشریف آوری بھی اکثر وبیشتر وہاں ہوتی رہتی ہے اور حضرت کے مواعظ ومجالس سے اہل علی گڈھ فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ اوائل اکتوبر ۱۹۸۴ء میں جب کہ حضرت موصوف سفر حج سے واپسی میں علی گڈھ قیام پذیر ہوئے تو بعض خواص شہر نے حضرت سے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے حضرت بقیۃ السلف مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی علی گڈھ تشریف آوری نہیں ہو سکی، ہم سب کی دلی خواہش ہے کہ وہ یہاں تشریف لاویں، اگر آپ کی طرف سے حضرت والا کو دعوت دی جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ ضرور منظور ہو جائے گی اور آپ کی خاطر

حضرت والا علی گڈھ تشریف لاویں گے، چنانچہ محترم حکیم اسلام اللہ صاحب غالباً ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو حضرت کا دعوت نامہ لے کر الہ آباد حاضر خدمت ہوئے اور زبانی خود بھی اصرار فرمایا، چنانچہ باوجود ناسازیٔ طبع اور انتہائی ضعف ونقاہت کے حضرت والا سفر علی گڈھ کے لئے آمادہ ہوگئے، انتظامات سفر کئے گئے اور حضرت والا احباب وخدام کی ایک جماعت کے ساتھ علی گڈھ تشریف لے گئے، وہاں پر محترم حکیم صاحب مدظلہ اور ان کے برادر خورد حکیم اسلام اللہ صاحب اور صاحبزادگان حکیم کلیم اللہ اور حکیم نعیم اللہ بلکہ پورا گھرانہ نیز خود حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے خوب ہی خوب حق میزبانی ادا فرمایا، چنانچہ حضرت والا اور ان کے رفقاء کے علاوہ اطراف واکناف سے جو حضرات بھی تشریف لاتے ان کو باصرار قیام کی دعوت دیتے اور نہایت خندہ پیشانی وفراخدلی کے ساتھ ان کی مہمان نوازی فرماتے رہے۔

اس سفر میں راقم الحروف کو بھی علی گڈھ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، اثنائے قیام روزانہ بعد نماز مغرب انونہ ہاؤس میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء اور دیگر اہل شہر کے علاوہ اطراف ونواح سے ایک جم غفیر آکر شرکت کرتا، خورجہ وبلند شہر اور قرب وجوار کے احباب تو بلاناغہ پابندی کے ساتھ آکر شریک مجلس ہوتے۔

ابتدائے مجلس میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم

کی فرمائش پر محترم کامل صاحب حضرت والا کا منظوم کلام یا اپنا کلام سناتے پھر حضرت ہر دوئی مد ظلہ کا بیان ہوتا، اس کے بعد حضرت والا کے ارشادات پر مجلس کا اختتام ہوتا۔

اسی سفر میں آگرہ اور فیروز آباد والوں کے اصرار پر وہاں کے اسفار بھی ہوئے اور ان مقامات پر جو بھی بیانات ہوئے ٹیپ ریکارڈ میں ضبط ہوتے رہے اور محترم جناب ڈاکٹر ابرار احمد صاحب کے پاس محفوظ تھے۔

ادھر عرصہ سے احباب کا شدید تقاضا تھا کہ "روح البیان" کا تیسرا حصہ بھی جلد شائع ہونا چاہئے چنانچہ احقر نے متوکلاً علی اللہ ضبط کا کام شروع کر دیا اور بحمد اللہ چھ مواعظ کا مجموعہ مرتب کر کے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو سنا دیا گیا، ان مواعظ میں ترتیب کے وقت حضرت والا کے ایماء سے مضامین مفیدہ کا جا بجا اضافہ بھی کیا گیا ہے، اور اب ان سب مضامین کو حضرت والا کے نظر ثانی فرما لینے کے بعد "روح البیان حصہ سوم" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے تاہم اگر نقل مضامین میں کوئی فرو گذاشت ناظرین کرام کو محسوس ہو تو اسے ناقل کا قصور سمجھا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب خدام و متوسلین کو خصوصاً اور تمام امت مسلمہ کو عموماً ان مضامین عالیہ سے کما حقہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت والا کے ظل عاطفت کو بایں فیوض و برکات تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور حضرت کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس سے قبل حضرت بقیۃ السلف دامت برکاتہم کے مواعظ کے دو مجموعے ''روح البیان حصہ اول و دوم'' کے نام سے دوبار طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں، اور بحمد اللہ ان سبھی مضامین کو اہل دل، اہل علم اور اہل قلم نے بہت ہی پسند فرمایا، جس کا اظہار مختلف عنوانات سے تحریراً و تقریراً فرماتے رہتے ہیں، واقعی حضرت کے مواعظ عجیب و غریب تاثیر کے حامل ہیں، ان کے مطالعہ سے کتنے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی، عقائد کی اصلاح ہوئی، آخرت کی طرف راغب ہوئے اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور ہزاروں مواعظ جمع ہوں اور سینکڑوں جلدیں روح البیان کی شائع ہو کر قلوب کو مسرور، دماغوں کو مسحور اور ارواح کو مخمور کرتی رہیں، اور اس سیہ کار کے لئے وسیلۂ مغفرت و ذریعۂ نجات ثابت ہوں۔

اس موقع پر بے ساختہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؔ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

ساقیا ہر دم رہے آباد مے خانہ ترا
تا ابد جاری رہے یوں ہی سبیل مے کشی

عمار احمد عفی عنہ
خادم جامعہ اسلامیہ افضل المعارف
وصی آباد الٰہ آباد، ۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

مقدمہ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

یہ "روح البیان" کا حصہ سوم ہے جس میں حضرت مرشدی مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کے چند مواعظ کو جمع کر دیا گیا ہے اس سے پہلے اس کا حصہ اول و دوم حلیہ طبع سے مرصع ہو کر منصۂ شہود پر آچکا ہے، جس کے مضامین عالیہ سے عوام وخواص سبھی یکساں طور پر منتفع و مستفیض ہو رہے ہیں مساجد و مدارس میں بھی اس کی صدائیں گونج رہی ہیں، علماء و صلحاء اس کی افادیت و تاثیر کے مقر و معترف نظر آرہے ہیں بلکہ اپنے حلقہ اور ادارہ میں اس کے سننے سنانے کا اہتمام فرمارہے ہیں۔ یقیناً یہ باتیں ان مواعظ کے مقبول عند اللہ ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

اس کی علت یہ ہے کہ وعظ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، دعوت الی اللہ انھیں کا اصل کام ہے، علمائے کرام تو انھیں حضرات کی نیابت میں کرسی وعظ پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور انھیں کی وراثت میں مسند ارشاد پر متمکن ہو کر قال اللّٰه و قال الرسول کا کلمہ بلند کرتے ہیں، لہذا علماء کو چاہئے کہ اپنے اصل و منیب کی کلّی طور پر رعایت کریں اور ہر امر میں ان کی نیابت کا حق ادا کریں اور جو کام انہوں نے کیا ہے وہی کریں اور جس امر

کی طرف دعوت دی ہے اسی کی طرف خلق خدا کو دعوت دیں۔

لہذا جو جتنا ان حضرات کی قیادت کو تسلیم کر کے ان کی اقتداء کرے گا اتنا ہی اس کو اللہ تعالی کے یہاں قرب و قبول ہو گا، اور جس قدر ان حضرات کے کلام کی توضیح و تشریح اور ان کے مرضی و منشاء کے مطابق اس کی ترجمانی ہو گی اسی قدر وہ بیان پر مغز و پر اثر سمجھا جائے گا۔

چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے ارشادات جو وحی الٰہی ہیں اس کی صحیح تبیین معمولی بات نہیں بلکہ نہایت اہم خدمت ہے اس لئے کہ بیان تو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر جس بیان میں کتاب و سنت کے رازہائے سربستہ کھولے جائیں، توحید و رسالت، قیامت و آخرت کی تصدیق کی طرف دعوت دی جائے، جنت و دوزخ کا ذکر کیا جائے، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ کی تعلیم دی جائے اور اعمال سیئہ، اخلاق قبیحہ سے نفرت دلائی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بیان بیان ہے بلکہ اس کو روح البیان کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

چنانچہ ہمارے مرشد حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کے مواعظ میں یہ باتیں بدرجۂ اتم آپ کو ملیں گی، کہیں آیات اللہ کی تلاوت کا فیض رواں ہے تو کہیں تعلیم کتاب و حکمت کا چشمہ جاری ہے، تو کہیں تزکیۂ نفس کی نغمہ سرائی ہے تو کہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ کے درس و تدریس کی ہماہمی ہے، کہیں اللہ تعالی کے ارشاد ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ سے دنیا کی حقارت و بے ثباتی عیاں کی جارہی ہے تو کہیں

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے آخرت کی بقا و ثبات کا اعلان کیا جارہا ہے۔

غرض جب یہ مقاصد حسنہ حضرت اقدس کے ان مواعظ میں پائے جاتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ ان کو روح البیان کہیں، اور لکھیں، واقعی یہ مواعظ اسم بامسمّٰی کہے جانے کے لائق ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ آج کل اسی قسم کے مواعظ کی ضرورت ہے اس لئے کہ طلب بھی کم ہے اور استعداد و صلاحیت بھی ضعیف تر ہے، بہت سے لوگ خاص طور سے نوجوان طبقہ تو اردو جانتا ہی نہیں لہٰذا اس لحاظ سے بھی حضرت والا کے مواعظ پسندیدہ و اثرانداز ہیں کہ ان مواعظ کی عبارت نہایت سلیس و رواں ہے جس کی وجہ سے باتیں بآسانی سمجھ میں آتی ہیں اور ذہن میں سماتی چلی جاتی ہیں اور چونکہ حضرت والا ان مواعظ حسنہ میں آیات و احادیث کی بکثرت تلاوت فرماتے ہیں جن پر ہم سبھی مسلمانوں کا ایمان ہے اس لئے ان سے یک گونہ مناسبت و تعلق قلبی کی بناء پر دل میں اترتی چلی جاتی ہیں نیز حضرت والا کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کو امزجہ اور نفسیات کی معرفت میں کمال شعور حاصل ہے، اس لئے آپ ہمیشہ مناسب حال اور مطابق مقام کلام فرماتے ہیں جس کی وجہ سے عموماً لوگ متاثر ہوتے ہیں اور اسی مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے ہی کو تو بلاغت کہتے ہیں، حالانکہ حضرت والا پہلے سے بیان کی کوئی تیاری نہیں فرماتے مگر مخاطبین کی رعایت اور ان کی ضرورت کا

لحاظ فرماتے ہوئے نہایت موزوں و بر محل کلام فرماتے ہیں، حضرت والا کی معیت میں کہیں جانے کا اتفاق ہوا اور بیان کی نوبت آئی تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا بیان کیا جائے مگر حضرت والا نے برجستہ ایسا بیان فرمایا کہ طبیعت عش عش کرنے لگی دل نے شہادت دی کہ واقعی اس سے زیادہ مناسب بیان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت والا کے بیان کو علماء و مشائخ سبھی بے حد پسند فرماتے ہیں بلکہ خواہش و فرمائش کر کے وعظ کراتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، مولانا ابرار الحق صاحب، مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی جیسے علمائے اعلام بھی جب حضرت والا ان کے قیام گاہوں تک پہونچتے ہیں تو حضرت کے وعظ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کے نفع واثر کا اظہار فرماتے ہیں بلکہ خود بنفس نفیس حضرت کی خدمت میں آکر ان کے کلمات طیبات کو بصد مسرت سنتے ہیں، مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے صاحب زادے اشرف میاں کی وفات کے بعد ان کی تعزیت کے سلسلہ میں جب حضرت والا کی تشریف آوری ہردوئی ہوئی تو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے آپ کے بیان کا خاص اہتمام فرمایا اس موقع پر حضرت والا نے نہایت بر محل اور مؤثر مضمون بیان فرمایا جس سے سبھی لوگ متاثر ہوئے جو اس وقت ٹیپ کر لیا گیا تھا بعد میں اس کو صفحات قرطاس پر منتقل کر کے اس حصہ کو روح البیان کا جزء بنا دیا گیا ہے، جو یقیناً قابل مطالعہ ہے اس لئے کہ آج بھی وہ کار آمد کارگر اور مصیبت کے

وقت تسلی بخش ہے اسی طرح آپ کا ہر ہی مضمون ایسا ہے جسے اوراق بیاض پر لکھے جانے سے زیادہ صفحات قلوب پر لکھے جانے کی ضرورت ہے۔

بہر حال آج کل ایسے ہی بیانات کی ضرورت ہے، جس میں آخرت کی تذکیر ہو، کتاب و سنت کی تعلیم ہو، امراض قلب کا علاج ہو، جنت و دوزخ کا بیان ہو، اکثر انھیں مقاصد عالیہ پر حضرت کا وعظ مشتمل ہوتا ہے اور اس میں بکثرت آیات واحادیث کی تلاوت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان مواعظ میں نورانیت بڑھتی ہی جاتی ہے، نیز حضرت کے قلب صافی سے نکلے ہوئے کلمات طیبات میں صدق و اخلاص کی آمیزش بیان کے اثر و تاثیر کو اضعافا مضاعفہ کر دیتی ہے، بات سیدھی سادی مگر چونکہ وہ خلق خدا کی خیر خواہی کے جذبہ اور آخرت کے عذاب اور ذلت و رسوائی سے رستگاری کے داعیہ سے ناشی ہوتی ہے اس لئے سامعین کے قلوب میں بغیر اثر کئے نہیں رہتی، یہی تو اخلاص کا کرشمہ ہے کہ اس کی شمولیت سے چھوٹا کام بڑا ہو جاتا ہے اور قلیل کثیر ہو جاتا ہے بلکہ تن مردہ میں حیات آجاتی ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ اخلاص خواہ کسی کام میں ہو یا کلام میں، وہ چونکہ حال قلب ہے اس لئے مخفی رہتا ہے مگر اس کا اثر بالکل عیاں و نمایاں ہوتا ہے، اللہ تعالی اس کے اثر کو اس میں خود ظاہر فرما دیتے ہیں، اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود　　ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

اسی اخلاص کی برکت سے کتنے منکر و معاند ہمارے اکابر کے بیانات کو سن

کر اس قدر متأثر ہوئے کہ اپنے غلط عقائد سے تائب ہی ہوگئے۔ چنانچہ ہمارے متأخرین اکابر کے اثر و تاثیر کے بہت سے واقعات معروف و مشہور ہیں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے حضرت مصلح الامت مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے ایک بڑے عالم کا یہ مقولہ نقل کیا کہ "اس زمانہ کی ایجاد مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے ذریعہ ہم اپنی باتوں کو لاکھوں آدمیوں کے کانوں تک پہونچا سکتے ہیں مگر اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہ ہوا جس سے لوگوں کے دلوں تک آواز پہونچائی جاسکے" تو حضرت مصلح الامتؒ نے معاً فرمایا کہ یہ آلہ تو بہت زمانہ ہوا کہ ایجاد ہو چکا ہے وہ ہے "اخلاص" اسی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور مصلحین عظام نے اپنی باتوں کو لوگوں کے قلوب تک پہونچایا جن سے لوگ متأثر ہوئے اور راہ یاب ہوئے۔

آج بھی اس کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اللہ کے بندوں کو نفع پہونچے، مثل مشہور ہے۔ ع "از دل خیزد بر دل ریزد"

اسی طرح ایک بڑے عالم و واعظ نے حضرت مصلح الامتؒ سے کہا کہ اب دین کا کام پہلے سے زیادہ ہو رہا ہے مگر اس کا اثر کچھ زیادہ دکھلائی نہیں دے رہا ہے تو فوراً ہی فرمایا کہ اخلاص نہیں ہے، اس سے وہ عالم خوش ہوئے اور حضرت کے جواب کی تصویب فرمائی۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جس طرح واعظ اور داعی کے اندر اخلاص کی شرط ہے ویسے ہی سامعین و مخاطبین کے اندر بھی صدق طلب اور سمع قبول

کا ہونا لازمی و ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ تذکیر فرماتے رہیں اس لئے کہ ذکریٰ مومنین کو سود مند ہوگا تو دیکھئے یہاں نفع کے لئے ایمان کی قید لگی ہوئی ہے۔

اسی طرح اللہ جل شانہ ارشاد فرما رہے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ﴾ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی یاد دہانی ہے جن کے پاس دل ہو یا وہ بات سننے کے لئے کان لگائیں متوجہ ہو کر، یعنی اگر دل پوری طرح بیدار نہ ہو تو کم از کم اتنی بات انسان کے اندر ہو کہ کوئی معقول آدمی اس کو کوئی بات سنائے تو وہ اس کو توجہ سے سنے یہ توجہ بھی انسان کے لئے بڑی خیر و برکت کا باعث ہے، اس لئے اثر و تاثر کے لئے دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہے، یعنی واعظ کے اندر اخلاص ہو اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی ناراضی اور آخرت کے عذاب و رسوائی سے بچانے کا داعیہ ہو اور مخاطبین کے اندر صدق و خلوص اور سمع قبول ہو تو پھر نورٌ علی النور ہے، کام بنتا ہی جائے گا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔

الحمد للہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے اندر یہی داعیہ و جذبہ تھا کہ چند مخلص رفقاء کے ساتھ پیدل چل چل کر دیہات دیہات جاتے اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے، طاعات کی طرف رغبت دلاتے تھے اور معاصی سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے جس کی وجہ سے دیہات کے دیہات صحیح العقیدہ ہو گئے، ظاہری شکل صورت انہوں نے سنت کے مطابق کرلی، نماز روزے کے

پابند ہو گئے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بفحوائے آیات واحادیث جب آدمی اخلاص سے اللہ تعالی کی طاعت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے سینہ سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتے ہیں ،اس کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں جیسا کہ ہمارے اکابر کو نوازا ۔

اس کی جھلک الحمد للہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے مواعظ و بیانات میں محسوس ہوتی ہے چنانچہ خود اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے مجھے خود کر دیا روح المعانی

تو بھلا ایسے موئد و موفق من اللہ کی کوئی کیا برابری کر سکتا ہے۔

خم کہ از دریا دوراہے بود پیش او جیحون نہا زانو نہد

(جس مٹکے کا تعلق دریا سے ہوتا ہے تو اس کے سامنے نہریں بھی گھٹنہ ٹیک دیتی ہیں)اسی جذبہ وداعیہ کے تحت جہاں بھی آپ تشریف لے جاتے ہیں کتاب و سنت کے علوم و معارف اور دین کی باتوں کو بے جھجک بیان فرمانے لگتے ہیں،اور کبھی اس حال کی تائید میں یہ شعر بھی پڑھتے ہیں۔

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

اگر چہ شاعر نے دوسرا مصرع یوں کہا تھا۔

"کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل یاد کرتے ہیں"

مگر حضرت نے اپنے ذوق کے مطابق بدل کر یوں کر دیا۔

"کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں"

اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت والا کا یہ حال ہے۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کو فراموش کر چکے ہیں اور اب تو بس حدیث یار کا تکرار کرتے ہیں)

اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت و تعلق ہو، کتاب و سنت سے مناسبت ہو، اس کے علوم و معارف سے شغل بلکہ شغف ہو اس کی نقل و حرکت شریعت اور سنت محمدی ﷺ کے رنگ سے رنگین ہو اور خلق خدا کو اسی کی طرف متوجہ کرنے بلکہ وابستہ کرنے کا داعیہ و جذبہ ہو، تب کہیں جا کر عالم حقیقی واعظ بنتا ہے اور اسی کا وعظ صحیح معنوں میں وعظ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، اور چونکہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کے اندر یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں اور یقیناً آپ نطق و تکلم کے ذریعہ وعظ فرماتے ہی رہتے ہیں آپ کا سکوت بھی طالبین کے لئے نفع بخش ثابت ہوتا ہے، اور اپنے قال سے تو نصیحت فرماتے ہی ہیں خود اپنے عمل اور حال سے زبردست ناصح ہیں اس لئے بلا اختیار یہ دلی تقاضہ ہے کہ میں وہ عبارت یہاں

نقل کر دوں جسے ایک مصری عالم سید علی محفوظ متوفی ۱۳۶۱ھ کی تعریف میں ان کے کسی معتقد نے تحریر فرمائی ہے، و هو هٰذا:

و لقد كان واعظا بسَمته و هيئته و وقاره و وقْفَتِه و مشيته قبل ان يكون واعظا بقوله و منطقه .

فكان فى ذلك مصداقا لقول رسول الله ﷺ " خِيَارُكُمْ مَنْ تُذَكِّرُكُمْ بِاللّٰهِ رُؤيَتُهٗ وَ يَزِيْدُ فِىْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهٗ وَ يُرَغِّبُكُمْ فِىْ اْلآخِرَةِ عَمَلُهٗ " .(رواه الترمذى عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما)

یعنی آپ قبل اس کے کہ اپنے نطق و تکلم سے وعظ فرمائیں، اپنی شکل صورت، ہیئت و وقار اور نقل و حرکت سے واعظ معلوم ہوتے تھے۔

یقیناً آپ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق اور پورے مصداق تھے۔

تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کی زیارت اللہ کو یاد دلائے اور اس کا کلام تمہارے علم میں زیادتی کا سبب ہو اور اس کا عمل آخرت کی طرف رغبت دلائے۔ (اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے)

سبحان اللہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خیار امت کی کیسی شناخت بیان فرمادی، اولیاء اللہ کی یہی پہچان ہے جن کی عام طور پر اس زمانہ میں بھی تلاش جاری ہے، ظاہر ہے کہ کتاب و سنت ہی اس امر میں بھی معیار و میزان ہے، اسی کی روشنی میں ہر شئے کی حقیقت معلوم کرنی چاہئے۔ (وباللہ التوفیق)

اب اخیر میں جی چاہتا ہے کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے معاصر حضرت سیدنا احمد کبیر رفاعیؒ جو بہت بڑے عالم، مصلح اور ولی تھے، ان سے وعظ کی تعریف نقل کروں، وہ یہ ہے "وعظ نام ہے غفلت والوں کو راستہ بتلانے کا"

سبحان اللہ کتنی مختصر اور جامع تعریف فرمائی جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور واعظین کو اسے لائحہ وعظ بنانے کی ضرورت ہے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روح البیان سے کچھ اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں جس سے آیات واحادیث سے مقاصد پر استدلال اور اس پیرانہ سالی میں ان کے استحضار کا اندازہ ہو۔

چنانچہ توحید پر کلام کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ:

دوستوں! کوئی بھی حال ہو توحید کو بڑی دولت سمجھنا چاہئے۔ انبیاء علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے تھے، سب سے زیادہ کامل توحید ان ہی حضرات کی تھی ابتداء میں بھی توحید ہے اور انتہاء میں بھی، جس درجہ کی توحید انبیاء علیہم السلام کے اندر ہوتی ہے دوسرے کے اندر بھلا کیا ہو سکتی ہے وہ اپنے سارے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کو کارساز نہیں سمجھتے ہیں، سب سے پہلی چیز یہی توحید ہے پھر اعمال کا درجہ تو بعد میں ہے، جب تک توحید خالص نہ ہو کوئی عمل عنداللہ مقبول اور معتبر نہیں ہوتا، یوں تو مشرکین مکہ بھی اللہ

کے خالق ومالک ہونے کے قائل تھے مگر ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی معبود بنائے ہوئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰه﴾ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے، مگر جب کوئی وقت پڑتا تو مدد کے لئے وہ بھی اللہ کو پکارتے تھے۔ ﴿وَ اِذَاغَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُااللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ جب ان کو موجیں گھیر لیتی تھیں تو خالص دل سے اللہ کو پکارتے تھے کہ اے اللہ! آپ ہی نجات دیجئے۔

دین کے جملہ شعبوں پر عمل کرنے کی طرف ترغیب دینے کے لئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ :

﴿۱﴾ ہمارے اندر یہ صفت ہونی چاہئے کہ عبادت بھی درست ہو، معاملات بھی درست ہوں، ہمارے اندر دیانت بھی ہو، صداقت بھی ہو، امانت بھی ہو، اخلاق بھی ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ جانتے ہو پہلوان کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ہم پہلوان اس کو سمجھتے ہیں جو کشتی میں اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، سب سے بڑا

پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہو، جب غصہ آئے تو اس کو پی جائے۔

آج جس قدر فتنہ و فساد برپا ہے سب اسی غصہ کی وجہ سے ہے، ایک بات اگر کوئی کہہ دے تو دیکھ لیجئے اس سے کتنا غصہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں کس قدر فساد پھیلتا ہے، کتنی دشمنی پیدا ہوتی ہے اور کتنے دل ٹوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اعلیٰ درجہ کے مسلمان ہیں وہ لوگ جو کہ غصہ کے ضبط کرنے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگذر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

ہائے اللہ! ہم کس سے کہیں اور کیسے کہیں پورا قرآن تعلیمات سے بھرا پڑا ہے، ذرا ہم دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں کہ جو لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں (یہ محسن ہیں) اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتے ہیں، بھائی سمجھ لیجئے کہ یہ غصہ بھی ایک طریقہ سے جہنم کی آگ ہے، مگر آج غصہ کا یہ عالم ہے کہ ذرا سی بات کسی کو برداشت نہیں حتیٰ کہ اگر کسی کے فائدے کے لئے بھی اس سے حق بات کہی جائے تو غصہ ہو جاتے ہیں، بالکل اپنے نفس کے غلام ہو گئے ہیں اور اسی غصہ اور بداخلاقی کی آگ میں سارا عالم جل رہا ہے، ہم کو تو مسلمانوں کے اس حال پر رونا آتا ہے کہ ہائے اللہ مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے، آپس میں جتنے اختلافات ہوتے اور بڑھتے ہیں وہ سب اسی غیظ و غضب کے نتائج ہیں، مگر لوگ اس کو چھوڑنا ہی

نہیں چاہتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ کیا اللہ کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ بسم اللہ کے باء سے والناس کے سین تک جو کچھ ہے سب کو جاننا ضروری ہے، اگر اس کے اندر کسی ایک آیت کا انکار کروگے تو مومن نہیں رہ جاؤ گے کیونکہ ایک آیت کا بھی انکار کفر ہے، خدا کی کتاب باء سے شروع ہوتی ہے اور سین پر ختم ہوتی ہے، دونوں کا مجموعہ "بس" ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بس خدا کی کتاب کافی ہے۔

حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ اصل یہی ہے کہ آدمی کتاب و سنت کی پابندی کرے اور اسی کے مطابق اپنے کو بنائے، مسلمان کے معنی یہی ہیں، پورا مسلمان آدمی اسی وقت ہوگا جب سب آیات پر عمل کرے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ نہ آیات کی پروا، نہ سنت کا لحاظ، نہ حدیث کی رعایت، نہ تعلیمات نبوی پر عمل، آپ خود دیکھ لیجئے کہ بعض مسلمان ٹخنے سے نیچے پائجامہ اور تہ بند لٹکائے رہتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں "مَنْ اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ اِزَارُهٗ فَهُوَ فِي النَّارِ" یعنی جس کا ازار ٹخنے سے نیچے لٹکا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ "مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ خُيَلَاءَ فَهُوَ فِي النَّارِ" (او کما قال) جو اپنا پائجامہ اور تہ بند زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔ اسی بناء پر ٹخنے سے نیچے پائجامہ لٹکانے کو علماء نے حرام لکھا

ہے، لہذا اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، جب ہم لوگ یہ مسائل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگ کہتے ہیں کیا اسی میں اسلام ہے؟ ان سے میں کہتا ہوں ہاں بھائی ہر چیز میں اسلام ہے، اخلاق میں، عادات میں، معاملات میں، عبادات میں، غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں اسلام کی تعلیمات موجود ہیں اور ان پر عمل کرنے کا مسلمان مکلّف ہے، اگر کسی شعبہ میں کوتاہی کرے گا تو اس کا اسلام ناقص رہ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی عظمت و جلالت شان کو ان الفاظ میں بیان فرمارہے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنی طرف بلانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنے اپنے زمانہ میں تمام پیغمبروں نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور دین کی تبلیغ فرمائی اور اس میں انہوں نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں، اخیر زمانہ میں ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھیجا اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا، آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے تا قیامت آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہو گا۔

آگے قرآن پاک کی حرمت اور اس کے مجد و شرف کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمارہے ہیں:

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے توراۃ، انجیل، صحف ابراہیم و صحف موسیٰ اور زبورِ داؤد سب کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا ہے، اس لئے اب

اگر نجات و فلاح ہو گی تو اسی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کا اتباع کرنے سے ہو گی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت اور گمراہی کا طریقہ ہو گا ہدایت تو بس اسی میں منحصر ہے۔

قرآن کی عظمت کا ہم کو اندازہ ہی نہیں اور ہم کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس میں کتنا وزن ہے اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ جب حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے، پیشانی مبارک سخت سردی کے باوجود پسینہ سے تر بتر ہو جاتی تھی، بسا اوقات آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہوتے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹ اس وقت بیٹھ جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے تأثر کا تو پوچھنا ہی کیا، صحابہ کرامؓ پر آیات قرآنی کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ بعض وقت اس کی وجہ سے کئی کئی روز بیمار رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ گشت کو نکلے، اتفاقاً ایک مسلمان کے گھر کے پاس سے آپ کا گذر ہوا تو وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے آپ کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے، انہوں نے سورۂ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور بیت المعمور کی اور اونچی چھت کی اور دریائے شور کی جو پُر ہے، کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا اور یہ اس روز واقع ہو گا جس روز آسمان تھر تھرانے لگے گا

اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے"

حضرت عمرؓ نے ان آیات کو سن کر فرمایا کہ قسم ہے پروردگار کعبہ کی یہ قسم حق ہے، پھر اپنی سواری سے اترے اور دیوار کے ساتھ تکیہ لگایا اور دیر تک ٹھہرے رہے پھر اپنی جگہ کو لوٹ آئے اور گھر پہنچ کر ایک ماہ تک بیمار رہے، لوگ دور دور سے ان کی مزاج پرسی کو آتے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ان کی بیماری کیا ہے، کسی کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا کیا حال ہے اور ان کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک قرآن پاک کی کیسی عظمت تھی، ہم بھی تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت سنتے ہیں مگر ہماری وہ کیفیت نہیں، آج ہم لوگ اپنے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عظمت ہمارے دلوں میں باقی نہیں اس لئے ہم محروم ہیں اور جو لوگ تھوڑی بہت تلاوت کرتے بھی ہیں تو اس پر عمل کرنے والے کہاں ہیں، اللہ کی یہ وہی مقدس اور مبارک کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے اپنے محبوب ﷺ پر نازل فرمایا، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ یعنی اگر اس قرآن کریم کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا لیکن ہم پر

جو اللہ کے کلام کا اثر نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں اور ان پر ایسا زنگ لگ گیا ہے کہ بڑی سے بڑی اثر کرنے والی چیز بھی اس میں کچھ اثر نہیں کرتی۔ (روح ا۔ ص ۱۰ تا ۱۲)

اب روح البیان حصہ دوم سے دنیا کی حیثیت و حقیقت ملاحظہ ہو۔

بھائی دنیا کی یہ زندگی چند روزہ ہے اور یہاں کی بہار بھی چند روزہ ہے، یہ سب فنا ہو جانے والی اور مٹ جانے والی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔

یہ مضامین اللہ تعالیٰ نے اسی لئے بیان فرمائے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف توجہ ہو، اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو، صحبت اہل اللہ کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ سنئے، اہل اللہ کی صحبت سے انسان کے دل بدل جاتے ہیں خوف و خشیت پیدا ہوتی ہے اور ان کی پاک صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور تقوی کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے، اس لئے اہل اللہ کی صحبت بھی بہت ضروری چیز ہے اور کیمیا کا اثر رکھتی ہے لہذا جیسے ہم اپنے کاروبار کے لئے، تجارت و ملازمت کے لئے سفر کرتے ہیں اسی طرح سال میں دو ہی چار روز کے لئے سہی وقت نکال کر کسی اللہ والے کی خدمت میں جائیں، ان کی پاک صحبت میں بیٹھیں، ان کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کریں، علم کی بھی اصل غرض و غایت خوف و خشیت ہی

ہے اور یہ ایک کیفیت ہے جس سے اہل اللہ متصف ہوتے ہیں اس لئے جو شخص ان حضرات کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ان کی کیفیات سے متکیف ہو جائے گا اور راستہ بہت جلد طے ہو جائے گا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مبلغ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دھن کا پکا ہوتا ہے جہاں جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں بیان کرنا شروع کر دیتا ہے، اس کا کوئی مقصد نہیں، اس کی ذاتی کوئی غرض نہیں وہ محض اللہ کو راضی کرنے کے لئے بولتا ہے امت کو دین کی طرف بلاتا ہے امت کو اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی طرف بلاتا ہے، اور امت کو اللہ و رسول ﷺ کی مرضی کی طرف دعوت دیتا ہے، اس کا مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

آپ فرما دیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے) بالیقین میری نماز اور ساری عبادات اور میرا مرنا جینا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا۔

پس ہمارا بھی یہی حال ہونا چاہئے کہ ہماری صورت، ہماری سیرت، ہمارا لباس، ہمارا کردار، رفتار و گفتار اور معاملات، شادی بیاہ، لینا دینا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، ساری چیزیں شریعت اور سنت کے مطابق ہونا چاہئے یقیناً اس سے بڑی دولت کوئی نہیں اللہ جسے نصیب فرماوے وہی کامیاب ہے،

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾

سب سے بڑی کامیابی یہی ہے ورنہ قیامت میں پچھتانہ پڑے گا، پھر کچھ بات بنائے نہ بنے گی۔

آپ حضرات کو ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ مضامین کس قدر مفید ومؤثر ہیں مگر یہ "مشتے نمونہ از خروارے" ہیں، مناسب ہے کہ پورے مواعظ کا بشوق وذوق مطالعہ کریں، انشاءاللہ ضرور ان کلمات طیبات کا قلب پر اثر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طلب دل میں موجزن ہوگی، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سلوک کے لئے مستعد وکمربستہ کردے گی۔

عزیزی مولانا عمار احمد صاحب سلمہ نے ان مضامین نافعہ کو باحسن وجوہ نہایت سلیقہ سے مرتب کرکے امت کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کی تصحیح و تحسین میں غایت درجہ اہتمام کیا اس کی وجہ سے وہ یقیناً قابل تہنیت ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید صلاح و صلاحیت سے نوازے، آمین۔

اس حقیر نے بھی ان مواعظ عالیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اپنی فہم کے مطابق جابجا ترمیمات بھی کیں اور عزیز موصوف نے اس کو قبول بھی کیا، اس طرح اس حقیر ناکارہ کی بھی شرکت اس کار عظیم میں ہوگئی جسے محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے برکات سے ہم کو مالا مال فرمائے، آمین۔

اب بصد ادب خاص طور سے حضرت والا کے متعلقین سے گذارش ہے

کہ حضرت والا کے ان مواعظ نیز دیگر تصنیفات کی طرف خاص توجہ و اعتناء کریں، اپنے گھروں میں بال بچوں کو پڑھ کر سنائیں نیز مساجد اور محلوں میں سنانے کا اہتمام کریں، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے حضرت والا کے فیض و برکت کا سلسلہ عام و تام ہوگا، وما ذلك على الله بعزيز. اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے، آمین يارب العالمين بحرمة سيدنا النبى الكريم صلى الله عليه و اله و اصحابه اجمعين.

محمد قمر الزمان الہ آبادی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ بیت المعارف

بخشی بازار ۳۱۳ الہ آباد

۵/ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

تحریر گرامی

حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ
استاذ حدیث "العین یونیورسٹی" ابوظبی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد!

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ دین وشریعت لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے جس کے بارے میں قرآن کریم نے یہ اعلان کیا ہے ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دین کی قیامت تک کے لئے بقاء کا فیصلۂ ربانی ہوچکا ہے اس لئے اس کی حفاظت وصیانت کے لئے غیبی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے علماء ربانی ہر دور میں پیدا فرمائے جن کے ذریعہ ہر زمانہ میں فتنوں کا سدباب کیا گیا اور اسلام کی ترجمانی وپاسبانی کا فریضہ انجام پاتا رہا۔

ہمارے اس ملک ہندوستان میں خصوصاً اخیر کی صدیوں میں ایسے ایسے اہل کمال اور علمی و روحانی شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر عالم اسلامی میں مشکل سے ملے گی، انہیں عظیم شخصیتوں میں سے اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس سرہ کی ذات گرامی ہے جس کی دکان عشق و معرفت سے ایک عالم فیضیاب ہوا جو اپنے علم و روحانیت اور تاثیر و کمالات میں سلف صالحین کا نمونہ تھے۔

انہیں کی یادگار بقیۃ السلف شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہے جن سے حضرت مولانا گنج مراد آبادی کے کمالات کی زندہ مثال سامنے آتی ہے اور ان کی باطنی کیفیات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عشق عصیان ست گر مستور نیست

(عشق و محبت اگر پوشیدہ نہیں ہے تو گناہ ہے)

لیکن اخفاء حال کی کوشش کے باوجود ان کی مجالس و ملفوظات و مواعظ سے علوم و معارف اور حکم و نصائح کے دریا ابلتے ہیں، جن حضرات کو ان مواعظ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہی اس کیفیت کو جو سامعین پر سننے کے وقت طاری ہوتی ہے سمجھ سکتے ہیں۔

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا ہے
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

اس لئے ضرورت تھی کہ یہ مواعظ کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کر دیئے جائیں تاکہ وہ لوگ جنہیں جسمانی حاضری کا موقع نہیں ملا وہ ان سے استفادہ کر سکیں، اور ان لوگوں کو جنہیں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اپنے اندر وہی کیف و سرمستی پیدا کر سکیں جو سننے کے وقت محسوس کرتے تھے، در حقیقت یہ ملفوظات جو حضرت کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوئے ہیں اس میں ہر شخص اپنے درد کا درماں پا سکتا ہے۔

حضرت موصوف کی خدمت میں متعدد بار حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور مجالس خصوصی میں ارشادات کی سماعت کا شرف بھی حاصل ہوا جس کا اثر اپنے قلب پر جو ہوا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا، نیز مواعظ کے دو مجموعے جو "روح البیان" کے نام سے شائع ہوئے ہیں ان کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ماشاء اللہ یوں تو سب ہی مضامین نہایت نافع و مفید اور عجیب و غریب تاثیر کے حامل ہیں مگر ان میں جا بجا ایسے علوم و حقائق بھی آگئے ہیں جو عام طور پر کتابوں میں نہیں ملتے اور جو اہل ذوق کے لئے نادر تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ محترم مولانا عمار احمد صاحب مدفیوضہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان مواعظ کو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کر کے شائع کیا اور عوام و خواص سب ہی کے لئے تحفۂ نایاب فراہم کر دیا۔ اس خبر سے دلی مسرت ہے کہ "روح البیان" کا تیسرا حصہ بھی مرتب ہو کر طباعت کے مرحلہ میں ہے اور اس کی ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری بھی مولانا موصوف ہی نے

قبول کی ہے، اللہ کرے کہ وہ حضرت کی مجالس اور سوانح حیات کو بھی مرتب کر کے آئندہ پیش کر سکیں جس کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ لوگوں کو اس کتاب سے استفادہ کی اور قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

تقی الدین ندوی مظاہری

استاذ حدیث شریف

"العین یونیورسٹی" ابوظبی

۲۱/۱۲/۱۴۰۷ھ

تأثر

از: مخدوم مکرم حضرت الحاج ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی صاحب
خلیفہ حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد!

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں بڑے بڑے اولیاء اور عارفین گذرے ہیں جو یقیناً اپنے دور کے آفتاب و مہتاب تھے ان حضرات کی ذات عالی صفات سے عجیب و غریب قسم کے کشف و کرامات کا صدور ہوا، ان کی عملی زندگی اسلام کی زندہ مثال تھی، ان کی روحانیت کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نگاہ اٹھتی ہزار ہزار غیر اقوام کے افراد حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتے، ان کی روحانیت کے اثرات براہ راست ہزاروں انسانوں کی روحوں پر پڑ کر انسانیت کی صحیح منزل پر پہنچا دیتے، یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کے مخالف کم و بیش رہے مگر ہمیشہ نتیجہ کے اعتبار سے مخالفین ذلیل و خوار ہوئے اور اہل اللہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوئے، چنانچہ انہیں مشائخ عظام میں سے ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے، آپ صرف ولی کامل ہی نہیں تھے بلکہ محقق اور جید عالم بھی تھے، یوں تو آپ کی

صدہا خصوصیات ہیں مگر ان کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے ،ہم چند خصوصیات برکت کے لئے پیش خدمت کررہے ہیں، آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے اور اپنے اہل وعیال اور متوسلین کو بھی اس کی تلقین فرماتے نیز خلاف شرع کوئی عمل خواہ کسی سے سرزد ہوتا دیکھنا پسند نہ فرماتے سب کے ساتھ یکساں معاملہ فرماتے، شفقت کا یہ عالم تھا کہ سب کے دکھ درد کو اپنا ہی دکھ درد سمجھتے، آپ کی مجلس میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوا کرتے تھے، آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی رعایت نہ فرماتے، آپ کے چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی، دل کی تمام کثافتیں دور ہو جاتیں، قلب مجلیٰ ومصفیٰ ہو جاتا، آپ فنا فی اللہ تھے، حضرت مولانا رحمہ اللہ سے احقر کو بھی خاص تعلق و قرب حاصل تھا، ایک دور ایسا تھا کہ حضرتؒ منصور پاک کے قریب ڈاکٹر ابرار صاحب کے مکان میں تشریف فرما تھے اور احقر مچھلی کوٹھی منصور پارک میں رہتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ تقریباً دس بجے دن میں حضرتؒ تشریف لاتے اور کافی دیر تک جلوہ افروز رہتے، کبھی اپنا منظوم کلام سنا کر احقر کو محظوظ فرماتے، اسی طرح بہت سے حالات اور واقعات بھی سناتے جس سے احقر کو بے حد فائدہ پہنچتا تھا محبت کا یہ عالم تھا کہ جب منصور پارک مچھلی کوٹھی سے احقر منتقل ہو کر وصی آباد آگیا اور آپ شام کو تفریح کے لئے مکرمی مولانا قمر الزمان صاحب کے ساتھ نکلتے تو کبھی غریب خانہ پر تشریف لاتے اور فرماتے کہ میں سچ کہتا ہوں کہ

آپ بہت یاد آرہے تھے اس لئے آگیا، میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا، کہاں تک لکھوں؟ دفتر کا دفتر لکھوں جب بھی کم ہے، بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

اللہ پاک کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ "روح البیان" کی جلد اول کی ترتیب و تزئین مکمل ہوئی جس کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اس سلسلہ میں جو محنت و کاوش محترمی مولانا حاجی اقبال صاحب مقیم زامبیا کو کرنی پڑی ہے وہ قابل ستائش ہے، اللہ پاک سے دست بدعا ہوں کہ ان کی عمر میں برکت نصیب کرے اور صحت دوام عطا فرماوے تاکہ اسی طرح یہ دین کے کام کرتے رہیں اور ہم تشنگان کو معرفت کا جام پلاتے رہیں آمین

فقط والسلام

احقر کمترین

ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی

وصی آباد، الٰہ آباد

جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

حمد باری تعالیٰ

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل

تو ہی خالق ہے تو ہی خلاق ہے
تو ہی رب انفس و آفاق ہے

تیری نعمت کی نہیں کچھ انتہا
شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا

یا علیم، یا سمیع، یا بصیر
تو ہی قادر اور تو ہی ہے خبیر

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میری شفا

یہ زمین و آسماں، شمس و قمر
دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر

تو ہی مالک تو ہی رب العالمیں
تیرے در پر جھکتی ہے جس کی جبیں

شان تیری کون سمجھے گا بھلا
ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا

تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا
جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا

کید سے شیطان کے یا رب چھڑا
اور شرور نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی ! مجھ کو اب اپنا بنا !
کرلے تو مقبول، احمد کی دعا

خطبۂ مسنونہ

میں ہمارے لئے ہدایت ہے

اقتباس

اس خطبہ میں اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس سے مدد چاہی جاتی ہے، استغفار کیا جاتا ہے اور ہدایت کو اسی کی جانب سے سمجھ کر وعظ و نصیحت کی جاتی ہے کہ وعظ و نصیحت کرنا اور احکام کو پہنچا دینا اور شریعت کی باتوں کو بتلا دینا یہ ہمارا کام ہے باقی رہا اس سے متأثر کرنا، یہ واعظ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو وہ توفیق مرحمت فرماتے ہیں وہی وعظ کو قبول کرتا ہے اور وہی اس سے متأثر ہوتا ہے اور جس کو وہ ہدایت دیتے ہیں وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً

أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قال اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لاَيَسْتَوِىْ اَصْحَابُ النَّارِ وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی سو (اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ

نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا (یعنی ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب لوگ ہیں۔

خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن مجید فرقان حمید کی آیتیں تلاوت کی گئی ہیں اگر ہم لوگ سوچیں اور سمجھیں اور غور و فکر سے کام لیں تو یہ خطبہ جو پڑھا جاتا ہے اس میں بھی ہمارے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے، الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اسی کی ذات تعریف کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی ابتدا بھی اسی طرح فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے، روز جزا کا مالک ہے۔

علماء دین اور مشائخ کاملین کا معمول ہے کہ وہ وعظ و نصیحت کی ابتدا حمد و صلوٰۃ سے کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ سنت نبویہ سے ماخوذ ہے، حضور اقدس ﷺ بھی اپنے کلام کی ابتدا اسی سے فرماتے تھے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ" تمام تعریف اللہ کیلئے ہے اس لئے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں "وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ" اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں "وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا" اور ہم

اس کی پناہ چاہتے ہیں، اپنے نفس کے شرور سے اور برے اعمال سے "مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَه" جس کو اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا "وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ" اور ہم گواہی دیتے ہیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر درود وسلام نازل ہو۔

اس خطبہ میں اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس سے مدد چاہی جاتی ہے، استغفار کیا جاتا ہے اور ہدایت کو اسی کی جانب سے سمجھ کر وعظ ونصیحت کی جاتی ہے کہ وعظ ونصیحت کرنا اور احکام کو پہنچادینا اور شریعت کی باتوں کو بتلادینا یہ ہمارا کام ہے باقی رہا اس سے متأثر کرنا، یہ واعظ کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو وہ توفیق مرحمت فرماتے ہیں وہی وعظ کو قبول کرتا ہے اور وہی اس سے متأثر ہوتا ہے اور جس کو وہ ہدایت دیتے ہیں وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔

بہر حال ہمیں چاہئے کہ اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھیں، اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا دل میں استحضار کر کے تفکر وتدبر کے ساتھ اور دل لگا کر پڑھیں تو دل میں نور پیدا ہوگا، دل کی ظلمت دور ہوگی اور ہدایت نصیب ہوگی۔

گناہ : دل کی ظلمت

بھائی سنو! گناہ سے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے اور دل میں زنگ لگ جاتا ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرتا ہے تو وہ سیاہی دور ہو جاتی ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا اور گناہ کرتا رہتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے ایسے دل کو مردہ دل کہتے ہیں، افسوس آج ہمارے قلوب کا بھی یہی حال ہو چکا ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں حتیٰ کہ قرآن کی آیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے حالانکہ یہ وہی کتاب ہے جس کو سن کر کتنے کافر مسلمان ہو جاتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ ہم لوگ کتنی کتنی آیات کی تلاوت کر جاتے ہیں مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ سننے والوں ہی پر اثر ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلوب مردہ ہو چکے ہیں، اب ہم خود فیصلہ کر لیں کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

میں تو کہا کرتا ہوں کہ پہلے زمانہ کے مشرک و منکر بھی ایسے تھے کہ جب قرآن پاک کو سنتے تھے تو متاثر ہو جاتے تھے اور ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ بعض دفعہ ایک ہی آیت کو سن کر اسلام قبول کر لیتے تھے۔

عمر فاروقؓ کا اسلام

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور و معروف ہے، ہم اور آپ سبھی کو معلوم ہے کہ فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہ ایک دن ننگی تلوار لے کر چلے

تھے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کر ڈالیں راستے میں کسی نے کہا ارے آپ کہاں جارہے ہیں پہلے جاکر اپنے گھر کی خبر لیجئے، آپ کی بہن بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، وہ بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور بہن کے گھر پہنچے، ان کا دروازہ اندر سے بند تھا، آواز دیا تو کھولا گیا، بہنوئی مارے ڈر کے چھپ گئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ان کو چھپتے ہوئے دیکھا تو بڑھ کر حملہ کرنا چاہا، بہن نے چھڑانا چاہا تو ان کو بھی چوٹ لگی، پھر انہوں نے فاروق اعظمؓ سے کہا اے بھائی! اب تم کچھ بھی کرو ہم تو ایمان لا چکے ہیں، کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اس کو ہم کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتے، ان کی اس بات سے فاروق اعظمؓ متأثر ہو گئے اور فرمایا کہ لاؤ مجھے بھی دکھاؤ تم لوگ کیا پڑھتے ہو؟ اس زمانہ میں چونکہ کاغذ نہیں تھا اس لئے قرآن پاک کو ہڈیوں پر، کھجور کے پتوں پر لکھ لیا کرتے تھے، بہر حال جس چیز پر لکھا ہوا تھا اس کو لائے اس میں سورہ طٰہٰ کی ابتدا کی آیتیں لکھی ہوئی تھیں ﴿طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى اِلاَّ تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلاً مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ طٰهٰ، ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتارا

ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ بڑی رحمت والا، عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے اور وہ ایسا ہے کہ) چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور (بلکہ) اس سے زیادہ خفی بات کو (یعنی ابھی جو دل میں ہے) جانتا ہے، وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود (ہونے کا مستحق) نہیں، اس کے بڑے اچھے اچھے نام ہیں (جو اوصاف و کمالات پر دلالت کرتے ہیں) سو قرآن ایسی ذات مستجمع الصفات کا نازل کیا ہوا ہے اور یقینی حق ہے۔

ان آیات کو سن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عجیب کیفیت ہو گئی، ایمان نے دل میں جگہ کر لیا، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، حضور ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ اے عمر! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ لو کہ اسلام سچا مذہب ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حضور اقدس ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ جب قرآن پڑھتے تھے تو لوگوں پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ فوراً ایمان ان کے دلوں میں اتر جاتا تھا، مشرکین مکہ اس سے بہت ڈرتے تھے اسی بناء پر جب قرآن پڑھا جاتا تو شور و غل مچاتے اور سیٹیاں بجاتے تھے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ جو بھی کلام اللہ کو سنتا ہے وہ متاثر ہو جاتا ہے، بڑے بڑے مشرک و منکر کلمہ پڑھنے لگتے ہیں اس کی وجہ سے مشرکین مکہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی اور یہ تدبیر سوجھی کہ اتنا شور و غل

مچاؤ کہ لوگ قرآن سننے ہی نہ پائیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لاَ تَسْمَعُوا لِھٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾ اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر پیغمبر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو (اور پیغمبر ہار کر چپ ہو جائیں)

سبحان اللہ! ان کی تو یہ تدبیر ہے اور یہ کوشش ہے کہ قرآن کو سنا ہی نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو ہمہ تن گوش ہو کر سنا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگادیا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو (جدید یا مزید)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں، قرآن پڑھنے والے کو جتنا ثواب ملتا ہے سننے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے، قرآن پاک سے متعلق میری ایک طویل نظم ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وہ قرآں جو دوا بھی ہے، غذا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآں جس سے طے ہوتے ہیں سب درجات روحانی

قرآن پاک میں بڑی لذت اور بڑی حلاوت ہے مگر آج ہم لوگوں کا یہ

حال ہے کہ ہم کو قرآن میں لذت نہیں ملتی، اس میں مزہ نہیں آتا، ہاں قصے کہانی میں، اخبار پڑھنے میں اور ناولیں دیکھنے میں ہم کو خوب لطف و مزہ ملتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے قلوب بیمار ہیں، ہمارے دلوں میں زنگ لگ گیا ہے اس لئے قرآن پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔

سنو! جب دل مردہ ہو جاتا ہے تو اس کو زندہ کرنے کی صورت اللہ کا ذکر اور موت کا دھیان ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اَکْثِرُوْا ذِکرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ المَوْتَ" یعنی لذتوں کو توڑ دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، مراد اس سے موت ہے۔

آدمی جس قدر زیادہ موت کو یاد رکھے گا اسی قدر اس کے دل میں حیات پیدا ہو گی اور غفلت دور ہو گی، دل کے زندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ طاعت سے خوشی ہو اور معصیت سے رنج و ندامت ہو، حدیث پاک میں مومن کی خاص صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ "اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اِسْتَغْفَرُوْا" یعنی جب وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور جب ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔

بھائی! ہم لوگ بیان بھی کرتے ہیں اور سننے والے سنتے بھی رہتے ہیں لیکن جہاں تھے وہیں ہیں، ہم میں کوئی تبدیلی نہ آئی، کتنے وعظ سنے، علماء و مشائخ کی مجلسوں میں شریک ہوئے مگر اب تک ہم نے اپنے آپ کو تبدیل نہ

کیا کس قدر افسوس کی بات ہے اور رونے کا مقام ہے، ہم کو چاہئے کہ اب سے اپنی غفلت کو دور کریں اور اپنے دل کو دل بنانے کی فکر کریں اس میں اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کریں جب کسی کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کا خوف آجاتا ہے تو اس کی حالت بدل جاتی ہے اور اس میں زندگی آجاتی ہے اور پھر قدم پھونک پھونک کر اور ڈرتے ڈرتے رکھتا ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں تو ہم گناہ کے قریب نہ جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر ناراض ہو گئے تو سب کچھ گیا ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةَ﴾ یعنی دنیا و آخرت دونوں جگہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے بڑی کوئی چیز نہیں مگر ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کے قانون کو توڑتے ہیں، اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں، کبائر میں مبتلا ہیں، حتیٰ کہ کفر و شرک تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر بھی مطمئن ہیں، حضور اقدس ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ ایک ایک آیت پر صبح ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف فرمائیں تو بیشک آپ غالب، حکمت والے ہیں۔

تو اس کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ

عثمان ذی النورین ؓ، علی مرتضیٰ ؓ اور صحابہ کرام ؓ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی تھی، اور ان کا عجیب حال ہو جاتا تھا، خیر وہ تو صحابی ہی ہیں ان کا مقام بہت اونچا ہے ان کا تو پوچھنا ہی کیا، ایسے ایسے بزرگان دین گذرے ہیں اور موجود بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے کہ وہ قرآن پاک کے اندر ایسی لذت و حلاوت پاتے ہیں جو کسی چیز میں نہیں۔

ابھی حال ہی میں ہمارے شیخ المشائخ قطب زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران جنت پاس آئیں گی تو ان سے کہوں گا کہ بی بیو تم بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھتا ہوں تم سنو، جو مزہ قرآن میں ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے خلفاء میں سے تھے ان سے بیان فرمایا کہ جو مزہ ہم کو قرآن میں ملتا ہے اگر تم کو ملے تو تم کپڑے پھاڑ کر جنگل میں بھاگ جاؤ۔

واقعی قرآن پاک میں جو لذت اور جو حلاوت ہے وہ بیان نہیں کی جاسکتی مگر جب دل کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور دل پاک و صاف ہو جاتا ہے تب وہ لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے اور پھر ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ قرآن سے سیری نہیں ہوتی، ہمارے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اس وجہ سے ہم کو قرآن کی لذت و حلاوت کا کچھ پتہ نہیں، حضرت عثمان ذی النورین ؓ فرماتے کہ اگر تمہارے

قلوب پاک ہو جائیں تو تم کو قرآن کی تلاوت سے کبھی سیری نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر و بزرگان دین نے سب سے زیادہ شغف قرآن ہی سے رکھا ہے بعضے بزرگوں کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے کل فارغ اوقات کو تلاوت قرآن ہی میں گذارتے تھے۔

حضرت داود طائیؒ جو بڑے درجہ کے عالم، محدث اور بزرگ تھے ان کا یہ حال تھا کہ کھانے میں صرف ستو گھول کر پی لیا کرتے تھے، روٹی وغیرہ نہیں کھاتے تھے، کسی نے آپ سے پوچھا کہ حضرت آپ کچھ اور نہیں کھاتے، صرف ستو پی لیتے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے تو فرمایا کہ جتنی دیر میں دال روٹی، چاول، یہ سب چیزیں کھاؤں گا اتنی دیر میں میرا پچاس آیتوں کا نقصان ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! قرآن سے کس قدر تعلق تھا کہ کھانے پینے میں تھوڑا وقت بھی صرف کرنا آپ کو گوارہ نہ تھا، شریعت میں گو اجازت ہے کہ ہم کھانے پینے میں اپنے اوقات صرف کریں اور خوب قسم قسم کی چیزیں کھائیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر بزرگوں کا حال الگ الگ ہوتا ہے حضرت داود طائی کا یہی حال تھا، آپ ہی کا ایک دوسرا واقعہ سنئے۔

ایک دفعہ آپ کے لب بڑھ گئے تھے، حلاق کو بلوایا اور فرمایا کہ میرے لب بڑھ گئے ہیں اس کو درست کر دو، اور خود قرآن پڑھ رہے تھے، حلاق نے کہا کہ حضرت آپ ذرا دیر خاموش ہو جائیں، لب ہلنے کی وجہ سے استرہ لگ

جانے کا اندیشہ ہے، بھائیو! عبرت کا مقام ہے آپ فرماتے ہیں کہ تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں، استرہ لگ جائے گا تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں مگر قرآن کا چھوڑنا ہمیں گوارہ نہیں۔

سبحان اللہ! یہ تھے قرآن کے پڑھنے والے اور یہ تھے اللہ کے سچے عاشق، اللہ تعالیٰ نے اپنے عشاق کی تسلی ہی کے لئے قرآن کو نازل فرمایا ہے تاکہ محبوب کے کلام کو پڑھ کر وہ تسلی حاصل کریں، اللہ تعالیٰ کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی ہے جیسا کہ کعبہ میں، پس جب بندہ تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور گویا اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" کی دولت نصیب ہوتی ہے چنانچہ کسی نے خوب کہا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اسی طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پنکھڑیوں میں پوشیدہ ہوتی ہے، لہٰذا جو مجھے دیکھنا چاہے میرے کلام میں مجھ کو دیکھے۔

یہ اللہ کی مقدس کتاب ہے، اور سب سے آخری کتاب ہے جو ہمارے گھروں کے اندر موجود ہے اور ہم نے اس کو جزدانوں میں لپیٹ کر طاق پر رکھ دیا ہے اس کی تلاوت نہیں کرتے اور اگر کبھی کرتے بھی ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے اور ہمیں کیا کرنا ہے۔

قرآن اللہ کی کتاب ہے اس کو ہم اللہ کی کتاب سمجھ کر پڑھیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعد کے مسلمانوں کو اسی طریق سے فلاح ملے گی جس طریقہ سے ہمارے اسلاف رضی اللہ عنہم کو ملی تھی، اس کے خلاف کر کے کبھی ہم فلاح نہیں پاسکتے، چنانچہ ان کا یہ حال تھا کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے تھے، فاقہ پر فاقہ کرتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے مگر اللہ کے عشق میں ان کا یہ حال تھا کہ تن، من، دھن، جان، مال، سب کچھ اللہ کے راستہ میں قربان کر دیتے تھے، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس وہ دولت تھی جس کو وہ دنیا ومافیہا سے بڑھ کر سمجھتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق، اللہ تعالیٰ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت کا یہ اثر تھا، آپ ﷺ کی پاک صحبت سے ان کے قلوب بدل گئے تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے عشق ومحبت کی کیفیت غالب رہتی تھی، اس لئے ان کو سب کچھ قربان کر دینا آسان تھا۔

اھل اللہ کی نظر کی تاثیر

بعد کے بزرگوں میں بھی عجیب عجیب کیفیات کا ظہور ہوا ہمارے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کبھی کبھی کیفیت طاری ہوتی تھی تو آپ کچھ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے، رات میں تہجد کے وقت جو لوگ حضرت کے پاس رہتے تھے ان کو بہت فیض پہنچتا تھا اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

سحر میں سامری کے کیا قدرت　　تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

نبی کی نگاہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے بزرگان دین کی نگاہ میں وہ اثر ہوتا ہے کہ واللہ عجیب کیفیت ہو جاتی ہے اور ان کی ایک نگاہ سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور ان کی پاک صحبتوں سے دل واقعی دل بن جاتا ہے، اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں یہی مضمون ارشاد ہوا ہے کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو مطلب یہ کہ جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے ان کو چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور اللہ کا خوف دل میں پیدا کریں، ہر جی یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ خوف آخرت کی طرف دعوت دے رہے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ان آیات کو پڑھتے تھے تو قیامت ان کے سامنے آجاتی تھی اور حضور ﷺ کے فیض صحبت سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آخرت کی چیزوں پر ان کو یقین کامل حاصل تھا، اللہ کا یقین، ملائکہ کا یقین، جنت و جہنم کا یقین، جزا و سزا کا یقین ان کو اس درجہ کا حاصل تھا کہ گویا ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں، اسی بناء پر ان کا جو قدم اٹھتا تھا اس میں وہ دیکھتے تھے کہ اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں اٹھ رہا ہے چنانچہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا۔

مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ بلا چون و چرا آخرت کی سب باتوں کی تصدیق کرے اور حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کو بغیر کیوں میوں کے

تسلیم کرے اس لئے کہ جب آپ کو اللہ کا رسول مان لیا پھر آپ کی بات پر دلیل کا مطالبہ کیسا؟ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ رسول اللہ ﷺ تم کو جس بات کا حکم دیں اس کو اختیار کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے باز آجاؤ۔

پس رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ضابطۂ خداوندی مقرر ہو گیا کہ آپ کی ہر بات کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا واجب ہے مگر آج مسلمان دین کی ہر بات میں کیوں میوں، اگر مگر لگانا ضروری سمجھتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نہ تو شریعت کے آداب معلوم ہیں اور نہ مقام رسالت کا کچھ پتہ ہے نہ انقیاد و تسلیم کی گلی میں ان کا گذر ہوا ہے۔

میں ایک بزرگ کی خدمت میں رہا کرتا تھا مجھ پر بڑی شفقت وعنایت فرماتے تھے وہ بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی شان کیوں میوں اگر مگر نہیں ہوتی وہ تو سراپا انقیاد ہوتا ہے، مسلمان کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ وہ فرمانبردار، گردن جھکا دینے والا، چون وچرا کو چھوڑنے والا اور اللہ ورسول کی مرضی پر مر مٹنے والا ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام کی شان اتباع

صحابہ کرامؓ کی تو یہ کیفیت تھی کہ وہ کہیں مسکرانے لگتے تھے اور کسی مقام پر بیٹھ جاتے تھے، کسی مقام پر لیٹ جاتے تھے، اسی طرح کسی مقام پر استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ جاتے تھے اور استنجاء نہیں کرتے تھے، ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کیا

حال ہے؟ تو فرماتے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھو میں نے اپنے محبوب ﷺ کو یہاں مسکراتے دیکھا اس لئے مسکرا رہا ہوں اور آپ ﷺ کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا اس لئے بیٹھ گیا اسی طرح جہاں لیٹے ہوئے دیکھا وہاں لیٹ گیا، اور جہاں بیٹھ کر آپ نے استنجاء فرمایا وہاں استنجاء کی ہیئت پر بیٹھ گیا، اگر چہ استنجاء کی ضرورت نہ تھی۔

دیکھئے! یہ غیر اختیاری چیزیں تھیں مگر اس میں بھی صحابہ کرامؓ آپ کی اتباع کرتے تھے یہ تھی شان صحابہؓ کی، جب اس درجہ انہوں نے اپنے کو مٹایا اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے کو فنا کر دیا تب ساری دنیا میں رشد و ہدایت کے ستارے بن کر چمکے اور دین کی حفاظت خود بھی فرمائی اور دوسروں تک پہنچایا اور حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا عملی نمونہ بنے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی زندہ تصویر امت کے سامنے پیش فرمایا۔

بھائی سنو! یہ دنیا کی ساری چیزیں مٹ جانے والی اور فنا ہو جانے والی ہیں، آخرت باقی ہے، ہم کو اپنے اندر اس کی فکر کرنی ہے کہ کون سی چیز آخرت میں کام آنے والی ہے اس کی طرف توجہ کریں۔

ایک بزرگ بصرہ کے رہنے والے تھے ایک دن وہ بصرہ کے بازار میں گئے وہاں لونڈی غلام بک رہے تھے ان میں ایک غلام بہت ہی سیاہ فام بد شکل تھا اس کو کسی نے نہیں خریدا یہ بزرگ خرید لائے، جب گھر آئے تو اس سے پوچھا کہ اے غلام تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام جو بھی رہا ہو اب تو جس

نام سے آپ مجھے پکاریں وہی میرا نام ہے، اسی طرح انہوں نے پوچھا کیا کھاؤ گے تو جواب دیا جو آپ کھلائیں گے وہی کھاؤں گا، پھر انہوں نے پوچھا کیا پہنو گے تو کہا جو آپ پہنا دیں گے وہی پہنوں گا، دریافت کیا کہ کہاں رہو گے تو کہا جہاں آپ رہنے کو فرمادیں گے وہیں رہوں گا، اس لئے کہ میں تو ایک غلام ہوں مجھ کو اپنے ارادہ سے کیا کام، ان بزرگ پر غلام کی باتوں سے ایک کیفیت طاری ہوگئی، رونے لگے اور فرمایا، کاش کہ میرا حال اپنے مالک اور آقا کے ساتھ ایسا ہی ہوجاتا جیسا تمہارا میرے ساتھ ہے، پھر فرمایا کہ جاؤ میں نے تم کو آزاد کردیا، وہ غلام کہتا ہے کہ یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے آزاد کردیا لیکن میری ایک تمنا اور ہے وہ بھی پوری کیجئے، انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے تو کہا کہ مجھے آپ قرآن پاک سنا دیجئے چنانچہ انہوں نے چند آیتیں پڑھیں ان کو سننے کے بعد غلام پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ لیٹ گیا اور اسی وقت اس کی روح پرواز کر گئی۔

دیکھا آپ نے کتنا بڑا عاشق تھا، کلام اللہ کی تلاوت سے کس قدر متاثر ہوا کہ واصل بحق ہوگیا۔

بھائیو! ہمارے اندر سے احساس زیاں جاتا رہا، ہماری زندگی گذرتی چلی جارہی ہے، مگر جو مقصد تھا ہمارے دنیا میں آنے کا اس سے ہم بالکل غافل ہیں، اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہر نفس یہ دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے دن یعنی قیامت کے لئے کیا سامان کیا ہے۔

ہم نے مال جمع کیا، دولت اکٹھا کی، مکان بنایا، سب کچھ کیا لیکن یہ بتاؤ کہ قیامت کے لئے کیا توشہ کیا؟ اللہ تعالیٰ قیامت کا کیسا نقشہ کھینچتے ہیں سنو فرمارہے ہیں ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ﴾ جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جاویں گے) اور جب قبریں اکھاڑی جاویں گی (ان میں کے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

اور فرماتے ہیں ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (مراد بوجھ سے دفینے اور مردے ہیں) اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟ اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے کہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا

اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ وہاں اس کو (بھی) دیکھ لے گا۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کچھ خلاف نہیں، تو وہ (بعض کو) پست کردے گی اور (بعض کو) بلند کردے گی (یعنی کفار کی ذلت کا اور مومنین کی رفعت کا اس روز ظہور ہوگا) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جاویں گے پھر وہ پراگندہ غبار (کی طرح) ہو جاویں گے اور تم تین قسم ہو جاؤ گے سو (ان میں ایک قسم یعنی) جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں اور (دوسری قسم یعنی) جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کتنے برے ہیں اور (تیسری قسم یعنی) جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں اور وہ (خدائے تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ لوگ مقرب، آرام کے باغوں میں ہوں گے۔

یہ آیتیں قرآن مجید کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا نقشہ کھینچ دیا ہے، اس طور پر کہ قیامت کو نگاہوں کے سامنے کر دیا ہے، ان آیات کو پڑھ کر لوگ لرز جاتے تھے مگر ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان آیات پر سرسری طریقہ سے گذر جاتے ہیں اور کوئی اثر ہمارے قلب پر نہیں ہوتا، اگر قیامت کا خوف

ہمارے دل کے اندر آجائے تو ہم اس دن کی تیاری میں لگ جائیں اس دن نہ مال کام آئے گا نہ عزیز واقارب کام آئیں گے نہ اولاد کام آئے گی بس وہاں صرف نیکیاں کام آئیں گی، اعمال صالحہ کام آئیں گے، اللہ تعالیٰ کی بندگی کام آئے گی طاعات وعبادات کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔

میں نے ایک روز حدیث کا مفہوم سنایا تھا کہ دنیا میں انسان کا تعلق تین چیزوں سے ہے، مال، اہل وعیال اور اعمال، ان میں آخرت میں کام آنے والی چیز تو صرف اعمال ہیں مگر ہم اعمال کی طرف توجہ کم کرتے ہیں اور ہم کو مال اور اہل وعیال سے بہت زیادہ محبت ہے، اور یہ محبت منع نہیں ہے لیکن اللہ کی محبت ان سب پر غالب ہونی چاہئے۔

مرنے کے بعد مال تو ایک قدم بھی نہیں پہنچائے گا جہاں ہے وہیں رہ جائے گا، اور اہل وعیال، اعزاء واقارب، دوست واحباب، بس قبرستان تک چلے جائیں گے مگر اعمال اور نیکیاں ہمارے ساتھ جائیں گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اعمال صالحہ قبر کے اندر حسین شکلوں میں آئیں گے، یعنی نماز، روزہ، تلاوت، یہ سب قبر کے اندر حسین شکلوں میں آکر مومن سے کہتے ہیں کہ تمہارے دو ساتھیوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا، اور ہماری طرف دنیا میں تمہاری توجہ کم تھی مگر ہم ہی تمہارے ساتھ ہیں اور یہاں تمہارے مونس ہیں، میں نے ایک دن حدیث کی شرح میں یہ اشعار بھی سنائے تھے اس کو پھر سناتا ہوں۔

مال و اولاد ترے قبر میں جانے کے نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کے نہیں
جز عمل گور میں کوئی بھی ترا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبر دار نہیں

نیکیوں سے قبر میں نور پیدا ہوتا ہے یہ نیکیاں قیامت میں تولی جائیں گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ سو جس شخص کا (ایمان کا پلہ) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے، اور جس شخص کا (ایمان کا پلہ) ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ بار بار قیامت کو یاد دلاتے ہیں مگر ہم اس کو سمجھتے ہی نہیں قیامت پر غور کرتے ہی نہیں، آؤ ہم اپنی پچھلی زندگی پر غور کریں اور انصاف سے کام لیں کہ ہمارے پاس کتنی نیکیاں ہیں، اگر ہم انصاف سے کام لیں گے تو ہمارے اعمال نامے میں نافرمانی اور گناہ ہی نظر آئیں گے اور نیکیاں اولاً تو ہیں ہی نہیں اور اگر کچھ ہیں بھی تو بس نیکیوں کی صورت ہے حقیقت اس کے اندر بھی نہیں۔

بس اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور اصلاح فرمائے تو خیر ورنہ ہمارا حال اچھا نہیں ہے، اللہ کا خوف اگر پیدا ہو جائے تو بندہ اللہ کی نافرمانی بالکل چھوڑ

دے اور اللہ ورسول کے حکموں پر عمل کرنے لگے، فرمانبردار بن جائے اور مسلمان کی اصل شان اس کے اندر آجائے کیونکہ مسلمان تو اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکادینے والا، فرمانبرداری کرنے والا، اللہ ورسول کے حکموں پر مر مٹنے والا ہو۔

اللہ ورسول کے حکموں کا پابند بنانے والی دو ہی چیزیں ہیں ایک تو اللہ کی محبت، دوسرے اللہ کا خوف، جب محبت کسی کے قلب میں آجاتی ہے تو اطاعت و فرمانبرداری اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے محبت بہت بڑی دولت ہے، محبت ہی کے اندر فلاح مضمر ہے، مومن کے اندر سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدائے تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک قرار دیتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا ضروری ہے یہ حالت مشرکین کی ہے) اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

کلمۂ طیبہ محبت الٰہی کا ذریعہ

اس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان والے ہوتے ہیں انہیں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے، بزرگان دین اسی کی تدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر آدمی کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے، چنانچہ بزرگان دین جو

نفی اور اثبات کا ذکر کراتے ہیں اس کے ذریعہ سے ساری چیزوں کو دل سے نکال دیتے ہیں اور اللہ کی محبت کو دل میں بٹھادیتے ہیں، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا جائے تو لا الہ کہتے وقت یہ سمجھے کہ غیر اللہ کو دل سے نکال رہے ہیں اور الا اللہ کہتے وقت یہ سوچے کہ اللہ کی محبت کو دل میں جما رہے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ "یعنی سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اسی لا الہ الا اللہ کے ذکر کو نفی واثبات کہتے ہیں اس ذکر میں تدریجی طور پر دل سے غیر اللہ کی معبودیت، مقصودیت، محبوبیت اور مرادیت کی نفی کی جاتی ہے یعنی بالترتیب ان معانی کا تصور کیا جاتا ہے کہ لاَ مَعْبُوْدَ اِلاَّ اللّٰہُ ، لاَ مَقْصُوْدَ اِلاَّ اللّٰہُ ، لاَ مَحْبُوْبَ اِلاَّ اللّٰہُ ، لاَ مُرَادَ اِلاَّ اللّٰہُ ۔

اس طرح دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مقصود نہیں، کوئی محبوب نہیں، کوئی مراد نہیں بلکہ وہی معبود و مقصود ہے اور وہی محبوب و مراد ہے، اللہ کی محبت بہت بڑی دولت ہے جس کو اللہ کی محبت مل گئی تو سمجھ لو کہ اس سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

سنئے! دنیا میں یہ زندگی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے، یہ اس لئے دی گئی ہے کہ ہم اعمال صالحہ کریں، اللہ و رسول کی فرمانبرداری کریں اور اپنی زندگی کو کامیاب بنائیں اس لئے کہ زندگی تو دن بدن گھٹتی ہی جارہی ہے ۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمریوں ہی تمام ہوتی ہے

ولایت کے دو درجے

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ بندہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے، یوں تو ہر مومن اللہ کا ولی ہے، ولایت کے دو درجے ہیں، ایک ولایت عامہ ہے، دوسری ولایت خاصہ ہے، ولایت عامہ تو ہر مومن کو حاصل ہے مگر ولایت کا خاص درجہ پانے کے لئے ایمان کامل اور تقویٰ کامل شرط ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں اور وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے بچنے کی) خوشخبری ہے، اور اللہ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق ہوا نہیں کرتا اور یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔

ایک ایمان تو محض رسمی اور نام کا ہوتا ہے لیکن ولایت خاصہ کے لئے ایمان کا جو درجہ مشروط ہے وہ یہ ہے کہ ایمان قلب کے اندر اتر جائے، دل کے اندر بیٹھ جائے اور راسخ ہو جائے، اللہ کی محبت غالب ہو جائے جس کو آیت میں بیان فرمایا گیا کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾

ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں سرگرم ہوتے ہیں مال کو

لٹادینے والے، اولاد کو قربان کردینے والے اور اللہ کی راہ میں عزت و آبرو سب کچھ نثار کردینے والے ہوتے ہیں، ان کو بس ایک فکر ہوتی ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، اسلئے کہ اگر اللہ راضی ہوگیا تو بخدا سب کچھ مل گیا اور اگر اللہ ناراض ہوگیا تو سب کچھ گیا، افسوس کہ ہم اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اور اپنے بیوی بچوں کو تو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حیرت کا مقام ہے کہ اپنی بداعمالیوں اور گناہوں سے اللہ کو ناراض کرتے ہیں، جس قوم کے اندر نافرمانی ہوگی اس قوم کو کبھی فلاح نہیں ہوسکتی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ امم سابقہ پر جتنا عذاب آیا وہ ان کی نافرمانیوں کی ہی وجہ سے آیا۔

بھائی! گناہ سنکھیا ہے، زہر سے زیادہ اس کا اثر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے لئے ہم کو تریاق بھی مرحمت فرمایا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ بندہ کتنا ہی گناہ کرے لیکن سچے دل سے توبہ کرلے تو سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کو پیار کرنے لگتے ہیں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

جس کو سچی توبہ نصیب ہوگئی اور یہ خیال پیدا ہوگیا کہ ہم نے اللہ کی نافرمانی اور گناہ کرکے زندگی برباد کردی اور اللہ کو ناراض کرلیا پھر یہ خیال ہوا کہ اچھا بھائی اب سے سہی آؤ سچے دل سے توبہ کرلیں، وہ بڑا خوش نصیب ہے،

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار نیکوکاروں میں ہونے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور رحمت اس پر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوْا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کر لیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال درست کر لیے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

آج ہم دیہاتوں میں اور کبھی کبھی شہروں میں بھی یہ بات سنتے ہیں کہ اگر کسی بلا و مصیبت میں پڑ جاتے ہیں یا کوئی بیماری آجاتی ہے تو لوگ اس طرح کہنے لگتے ہیں کہ نہ معلوم ہم سے کون سا گناہ ہو گیا ہے جس کی سزا ہم کو مل رہی ہے اور اس مصیبت میں پڑ گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالکل معصوم ہیں ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا، ارے اللہ کے بندو! ایسے موقعوں پر یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم تو سراپا گناہ ہیں اب تک کیوں نہیں پکڑے گئے اپنے گناہوں کا استحضار ہر وقت رہنا چاہئے اور اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ معلوم کس چیز سے راضی ہوتے ہیں، تو سنو! اللہ تعالیٰ عمل صالح سے، اطاعت و فرمانبرداری سے راضی ہوتے ہیں اور نافرمانیوں اور گناہوں سے ناراض ہوتے ہیں۔

بہر کیف اگر قیامت کا یقین حاصل ہو جائے، قرآن کی آیات پر، اللہ کی

ذات و صفات پر، ملائکہ پر، جنت اور جہنم پر یقین کامل پیدا ہو جائے تو آدمی ولی اور صدیق بن جائے، صدیق کی یہی شان ہوتی ہے کہ بن دیکھے آخرت پر ایسا یقین رکھتے ہیں گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ﴾ بیشک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر کبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو اجر کبیر کہہ دیں وہ اجر کتنا بڑا ہو گا، اس کی بڑائی بندے کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔

بھائی سنو! جس کے دل کے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے اور اس کو یہ احساس ہو جائے کہ دنیا فانی اور مٹ جانے والی ہے اور آخرت باقی اور دائمی ہے، ہمیشہ ہمیش رہنے کی جگہ ہے اور یہ دنیا اور اس کی بہار چند روزہ ہے اس سے کیا دل لگانا، تو وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرف ہم کو متوجہ فرما رہے ہیں واقعی اگر ہم قرآن کو تدبر کے ساتھ اور غور و فکر سے پڑھیں تو ہم پر خدا کی رحمت نازل ہو، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

ف : پہلا ﴿اِتَّقُوا اللّٰہَ﴾ طاعات کے متعلق ہے اور دوسرا معاصی کے متعلق

ہے یعنی اعمال صالحہ اور طاعات کی تحصیل میں بھی تقویٰ کا حکم ہے اور معاصی سے بچنے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ علیم و خبیر ہے۔

یہ جو اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہیں یہی مراقبہ ہے، مراقبہ کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علیم و خبیر ہونے کو سوچے اور اس کے سمیع و بصیر ہونے کا استحضار کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر کی باتوں کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دلوں میں جو خطرات گذرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے، اگر ہم اس کا مراقبہ کرتے رہیں اور اللہ کے حکیم و خبیر ہونے کا دھیان رکھیں تو بتاؤ ہم سے نافرمانی اور گناہ سرزد ہو سکتے ہیں؟ یہی مراقبہ گناہوں سے روک دے گا۔

دوستو! ہمیں چاہئے کہ اپنے ظاہر کو بھی اعمال حسنہ سے آراستہ کریں اور اپنے باطن کو بھی عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے مزین کریں، اس طرح ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جائیں، اور ظاہری و باطنی تمام گناہوں کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ یعنی ظاہری و باطنی گناہوں کو چھوڑ دو، بھائی قیامت میں کچھ نہ کام آئے گا نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد کام آئے گی نہ جائیداد کام آئے گی، وہاں صرف اعمال کام آئیں گے وہ بھی ایسا عمل جس میں اخلاص ہو، دل کی شرکت سے ہو اور اس

کے لئے ضروری ہے کہ دل کو رذائل سے پاک کیا جائے اس لئے کہ جب قلب رذائل سے پاک ہو جاتا ہے تب ہی اخلاص حاصل ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ امراض روحانی سے دل کو پاک کر لیا جائے، اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت دل کے اندر پیدا ہو جائے، اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت بڑھتی ہے اس لئے ذکر اللہ کی کثرت کریں، اللہ کو یاد کریں، اس کے انعامات کو سوچیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو، اور موت کا مراقبہ کریں کہ ایک دن یہ دنیا چھوٹ جانے والی ہے اس کے بعد قبر کی منزل ہے، سوال و جواب ہے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اس مراقبہ سے خوف پیدا ہوگا، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صحابہؓ کی زندگی ایسی تھی کہ دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا، اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئی محض ہونا، ان سب کا ان کو کامل درجہ میں یقین تھا اس بناء پر آخرت ہر وقت ان کے سامنے پیش نظر تھی اور موت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی اس لئے وہ ہر وقت آخرت کی تیاری میں لگے رہتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا واقعہ یاد آگیا، حضرت کے معتقدین میں بہت سے نواب بھی تھے، انہیں میں سے حیدر آباد کے کسی نواب نے ایک بہت قیمتی عبا حضرت کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے رکھ دو میں اسے خاص اپنے لئے رکھوں گا کسی کو نہیں دوں گا، تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور رو رو کر حضرت سے کہنے لگا کہ میں محتاج و مفلس آدمی ہوں میری دو لڑکیاں جوان ہیں شادی کے قابل

ہو چکی ہیں میرے پاس کچھ بھی نہیں، میں ان کی شادی کیسے کروں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے ابھی ایک صاحب نے ایک عبا پیش کیا ہے بس وہی ہے پھر خادم سے فرمایا کہ وہ عبا لاؤ، وہاں یہ بھی دستور تھا کہ جو بڑے لوگ وہاں رہتے تھے وہ اس قسم کی چیزوں کو تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ ایک بڑے نواب نے اس عبا کو دس ہزار میں خرید کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا اور وہ رقم اس شخص کو دے دی گئی، اب بعض لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اس عبا کو میں کسی کو نہ دوں گا اپنے لئے رکھوں گا اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ نے اس محتاج شخص کو دے دیا، یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، حضرت نے فرمایا کہ رکھ تو لیا کیا تم نے سمجھا نہیں؟ یہ آخرت میں جمع ہو گیا یہی میرے کام آوے گا۔

میں برابر کہا کرتا ہوں کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو دنیا میں ہوتا ہے، دوسرا سفر آخرت کا ہے، دنیا کے سفر میں تو ہم یہ کرتے ہیں کہ مثلاً ہم کو بمبئی جانا ہے تو وہاں کا ٹکٹ لیں گے راستہ کے لئے سامان ساتھ میں لیں گے تب سفر کریں گے کیونکہ دنیا کے سفر میں تو آدمی سامان اپنے ساتھ رکھتا ہے تب سفر کرتا ہے اور آخرت کے سفر میں سامان اور توشہ پہلے بھیج دیا جاتا ہے کوئی اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتا بلکہ جو کچھ پہلے سے بھیج دیتا ہے وہی وہاں کام آئے گا، اسی کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ رکھ تو لیا اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْراً وَّ اَعْظَمَ اَجْراً ﴾ جو نیک کام اپنے لئے تم کرو گے تو اس کو اللہ کے پاس اجر و ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور فرماتے ہیں ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ یعنی جو تمہارے پاس ہے وہ مٹ جانے والا، ختم ہو جانے والا ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اس کو فنا اور زوال نہیں، جب ہم اپنے پاس رکھیں گے تو فنا ہو جائے گا، اور وہی چیز اگر اللہ کی راہ میں صرف کر دیا تو اس کو دوام اور بقا حاصل ہو گیا وہ کبھی فنا نہ ہو گی، اسی لئے جو شخص اللہ کی راہ میں جان قربان کر دیتا ہے اس کو حیات ابدی جاودانی حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لاَّ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (اور اے مخاطب) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو (اور مردوں کی طرح) مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے اور وہ اس چیز سے خوش ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان کو بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

شہداء کی روحیں جنت میں سیر کرتی رہتی ہیں جنت کے پھل میوے کھاتی رہتی ہیں، ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہاری کوئی اور خواہش ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے ہم کو سب کچھ دے دیا ہم جنت کے میوے کھا رہے ہیں یہاں خوب خوش و خرم ہیں اب ہمیں کیا چاہیئے، پھر پوچھا جاتا ہے کوئی اور بھی تمنا ہے؟ تو وہ شہداء کی روحیں کہتی ہیں کہ ہاں صرف ایک تمنا ہے وہ یہ کہ ہم کو دنیا میں پھر بھیج دیجئے تاکہ آپ کی راہ میں پھر ہمارا گلا کاٹا جائے اور پھر جنت میں آئیں اور پھر دنیا میں بھیجا جائے پھر شہید کیا جائے یہی معاملہ قیامت تک ہوتا رہے۔

سبحان اللہ! جنت کا عیش و راحت پانے کے بعد بھی اگر کوئی آرزو اور تمنا ہوگی تو شہادت کی اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے پر جو لذت و حلاوت حاصل ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ بار بار وہ اسی کی تمنا کریں گے، شہادت کا مقام بہت اونچا مقام ہے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهُ اَجْرُ مِأَةِ شَهِيْدٍ" یعنی جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیگا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

بیشک یہ زمانہ ایسا ہی ہے کہ ہر طرف فساد ہی فساد ہے اس وقت جو لوگ سنت کے ساتھ تمسک کریں گے ان کو یقیناً سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ سے ملنے کا قریب تر راستہ اتباع سنت ہے، دوستو! میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہیں

چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو اور صدق نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح (راستہ) ہونا معلوم نہ کرلیا ہو مگر سنت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) پر عمل کرنے اور ذلت وانکساری والوں کے اخلاق پر چلنے اور سراپا حیرت واحتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) زیادہ محبوب نہیں پایا، صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کرسکتا ہے انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے، اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی، اللہ تعالیٰ کے پانے سے اپنی عاجزی (اور کمزوری) کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا پالینا ہے۔

آیئے! دعا کرلیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو سنت کے ساتھ تمسک کی توفیق عطا فرمائے اور ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

مقام رسالت

اقتباس

سنئے! عام طور پر لوگوں کی نظر ولایت پر تو جاتی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں، تو ٹھیک ہے، سبحان اللہ کیا کہنا، ولایت کا بھی ایک مقام ہے، قرآن وحدیث میں اس کا بھی ذکر موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کامل کے ساتھ تقویٰ سے متصف ہوتے ہیں وہ مقامِ ولایت پر فائز ہوتے ہیں، تو یہ بھی ایک مقام ہے مگر نبوت ورسالت کا مقام جو ولایت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اس کو لوگ نہیں پہچانتے، نبوت اصل ہے اور ولایت اس کی فرع ہے۔ نبی ہی کی اتباع کر کے ولایت حاصل ہوتی ہے اور اتباع سنت ہی کی برکت سے آدمی مقامِ قرب تک پہنچتا ہے اور اسی سے اللہ کا ولی کامل ہوتا ہے اور راہِ سنت سے اگر انسان ہٹ جائے تو اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے اس کو ولایت کیا حاصل ہو گی۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

اس کو مل ھی نھیں سکتا کبھی توحید کا جام

یعنی وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں

اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور مقام رسالت کا ذکر فرمایا ہے اس وقت آپ کے سامنے مقامِ رسالت ہی سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلہ میں میری ایک پوری نظم ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

سنئے! عام طور پر لوگوں کی نظر ولایت پر تو جاتی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں، تو ٹھیک ہے، سبحان اللہ کیا کہنا، ولایت کا بھی ایک مقام ہے، قرآن وحدیث میں اس کا بھی ذکر موجود ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں (یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کامل کے ساتھ تقویٰ سے متصف ہوتے ہیں وہ مقامِ ولایت پر فائز ہوتے ہیں، تو یہ بھی ایک مقام ہے مگر نبوت ورسالت کا مقام جو ولایت سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اس کو لوگ نہیں پہچانتے، نبوت اصل ہے اور ولایت اس کی فرع ہے، نبی ہی کی اتباع کر کے ولایت حاصل ہوتی ہے اور اتباع سنت ہی کی برکت سے آدمی مقامِ قرب تک پہنچتا

ہے اور اسی سے اللہ کا ولی کامل ہوتا ہے اور راہِ سنت سے اگر انسان ہٹ جائے تو اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے اس کو ولایت کیا حاصل ہو گی، اسی کو کہہ رہا ہوں ۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

جب تک مقامِ رسالت کی معرفت نہ ہو گی انسان مئے توحید سے سرشار نہیں ہو سکتا اس وقت اپنے ہی دو شعر یاد آگئے اسے سناتا ہوں ۔

ہم بھٹک جائیں تری راہ سے دوزخ یہی ہے
ہم تری راہ پہ لگ جائیں یہی جنت ہے
مئے توحید سے سرشار ہوں سنت ہے یہی
دل کسی غیر کو دے دیں تو یہی بدعت ہے

جس نے توحید کا جام پی لیا سبحان اللہ اس کا کیا کہنا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے توحید کا جام پیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اللہ کے لئے اپنی جان، اپنا مال واولاد، اپنی عزت وراحت سب کچھ قربان کر دیا، اسی کا ان کو یہ ثمرہ ملا کہ ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملتا تھا، ان کا جسم دنیا میں رہتا تھا مگر روح عرشِ اعظم کی سیر کرتی تھی اور بظاہر مخلوق میں شامل رہنے کے باوجود ہر وقت خدا سے واصل رہتے تھے اور بلاشبہ ان کی یہ شان تھی کہ ....ع

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل

اس امت کے بہترین لوگ

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں صحابہ کرام کی شان بیان کی گئی ہے ایک بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے، مناسب مقام ہونے کی وجہ سے جی چاہتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کر دیا جائے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تابعین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لاتومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد ﷺ کانوا افضل هذه الامة ابرّها قلوباً واعمقها علماً واقلها تکلفاً اختارهم الله لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علیٰ اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم، (رواه رزین)

یعنی جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو انتقال کر چکے ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ) کیونکہ زندہ آدمی دین میں فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ (جو انتقال کر چکے اور جن کی پیروی کرنی چاہئے وہ) آنحضرت ﷺ کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور وہ بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی

رفاقت اور اپنے دین کی اقامت کیلئے منتخب کیا تھا، لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب واخلاق کو اختیار کرتے رہو، اس لئے کہ وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔

اس حدیث کے ہر ہر جملہ کی ملا علی قاریؒ نے وجد آفریں شرح فرمائی ہے اور صحابۂ کرام کے اوصاف کی خوب ہی خوب وضاحت فرمائی ہے، سب سے اخیر میں فرماتے ہیں: **کانوا فرشیین بابدانهم عرشیین بارواحهم کائنین مع الخلق فی الظاهر بائنین عن الخلق مع الحق فی الباطن**، یعنی وہ اجسام کے اعتبار سے فرش پر نظر آتے تھے مگر ان کی روحیں عرش کی سیر کرتی تھیں اور وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے مگر ان کے قلوب مخلوق سے کٹ کر واصل بحق رہتے تھے۔

سبحان اللہ! یہ شان تھی صحابۂ کرامؓ کی اور یہ برکت تھی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحبت کی کہ مخلوق میں بھی شامل اور خدا سے بھی واصل رہتے تھے، یقیناً توحید کا جام وہ جام ہے جس کا اصلی مزہ صحابہ ہی نے چکھا۔

رسول اللہ ﷺ سے ان کو یہی توحید حاصل ہوئی تھی اور یہ مقام ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو سعید اور خوش بخت ہیں انہی کے لئے مقدر ہوتا ہے اس کو میں نے یوں کہا ہے۔

یوں تو اس قادر قیوم کی رحمت ہے عام
پر مقدر سے ملا کرتا ہے توحید کا جام

بوالھوس تو ھی بتا .....

اب لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قول سے دلیل پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے یہ کیا اور فلاں نے یہ کیا اور اس کو دین بناتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت کے مقابل میں کسی کا قول حجت نہیں۔

غیر کے فعل کو حجت تو بناتا کیوں ہے
وحی کے سامنے کیا چیز ہے کشف والہام
غوث وابدال وقطب اور امام و اوتاد
سب کے سب ہیں یہ بلاشبہ محمد کے غلام
اک طرف فخر رسُل اک طرف ان کا غلام
بوالہوس تو ہی بتا کس کا سنے گا پیام

ظاہر بات ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہو اور دوسری طرف فلاں ابن فلاں کا قول ہو تو حدیث پاک ہی کو حجت بنایا جائے گا، حضور اقدس ﷺ کا تو وہ مقام ہے کہ آپ کے قول کے سامنے کسی نبی کا قول بھی حجت نہیں، کیونکہ آپ کی شریعت سے تمام انبیاء کرام کی شریعتیں منسوخ ہو چکیں، لہٰذا اگر بالفرض کوئی نبیٔ مرسل اس وقت زندہ ہوتا تو وہ بھی آپؐ ہی کا اتباع کرتا، حدیث پاک میں ہے خود حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "لو کان موسیٰ حیّاً ما وسعه اِلّا اتباعی" یعنی اگر موسیٰ

(علیہ السلام) بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع کرنی ہوتی۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یوں کہلوایا۔

خود ہی فرماتے ہیں سرکار دوعالم، سن لے
کچھ نظر آئے تجھے تاکہ محمد کا مقام
ہوتے موسیٰ بھی جو زندہ تو نہ چارہ تھا کوئی
بجز اس کے کہ کریں پیروئ خیر الانام
مرحبا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
اللہ اللہ یہ رتبہ ہے یہ ہے ان کا مقام
ان کے دربار میں جبریل امیں آتے تھے
لاتے تھے عرش معظم سے خدا کا پیغام

ہم لوگوں کو حضور اقدس ﷺ کی معرفت نہیں کہ عنداللہ آپ کا کیا مرتبہ ہے اور کس درجۂ علیا پر آپ فائز ہیں، اگر آپؐ کی معرفت ہوتی تو آپ کی سنت کے مقابل کسی کے قول کو ہرگز حجت نہ بناتے، سنئے! سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے اور تمام رسولوں کی ہم تصدیق کرتے ہیں یقیناً اللہ کے سب رسول برحق ہیں، اگر کسی ایک رسول کا بھی کوئی شخص انکار کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ امام الانبیاء سید المرسلین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں اس لئے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ کی اتباع لازم ہوتی،

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب آسمان سے اتریں گے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی شریعت کا اتباع کریں گے، پس جب ایسے اولوالعزم پیغمبروں کے بارے میں یہ حکم ہے پھر ہم لوگ تو حضور ﷺ کے امتی ہیں ہم نے آپ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے، اس لئے ہم پر تو آپ کا اتباع بہر حال لازم وضروری ہے، مگر ہائے افسوس! ہمارا کیا حال ہو رہا ہے اور ہم کدھر جا رہے ہیں کہ ایک طرف تو آپ کی امت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ سے عشق و محبت کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کی سنت کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو حجت بناتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ہم کہاں تھے اور کہاں پہنچ گئے۔

اتباع رسول میں کمی کا سبب

واللہ یہ ناممکن ہے کہ حضور سے محبت ہو اور پھر آپ کے حکموں کا اتباع نہ کرے، بدون اطاعت کے محبت کا دعویٰ غلط ہے کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔

لو کان حبك صادقاً لاطعته　　ان المحب لمن یحب یطیع

یعنی اگر تمہاری محبت صادق ہوتی تو تم اپنے محبوب کی اطاعت و فرمانبرداری ضرور کرتے اس لئے کہ ہر محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔

پس جس کو رسول سے سچی محبت ہو گی وہ ضرور اس کو اتباع سنت وشریعت کی طرف کھینچے گی، آج جو اتباع رسول میں کمی ہے اس کا اصل سبب محبت رسول میں کمی ہے، ہم اپنے دعویٰ محبت میں سچے نہیں ہیں کیونکہ محبت

رسول میں صدق کے لئے اتباع سنت لازم ہے، اس وقت مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

ہیں صادق آپ گرائے دوست اقرار محبت میں
طلب خود کر لئے جائیں گے دربار محبت میں

اشعار : تبلیغ دین کا ایک ذریعہ

سنئے! یہ جو اشعار میں پڑھ رہا ہوں اس میں بھی دین کی دعوت و تبلیغ ہے اور مبلغ وداعی کا کلام خواہ نظم میں ہو یا نثر میں، اس میں بات اللہ اور اس کے رسول کی ہونی چاہئے، اور شریعت و سنت کی ترجمانی ہونی چاہئے، اللہ و رسول کی بات جس طرح نثر میں پیش کی جاتی ہے اسی طرح نظم میں بھی پیش کی جاسکتی ہے بلکہ بسا اوقات نظم زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

اشعار اور صحابۂ کرامؓ

''اسوۂ صحابہ'' ایک کتاب ہے جس میں صحابۂ کرامؓ کے حالات درج ہیں، اس میں لکھا ہے کہ بجز چند صحابہ کے تمام صحابۂ کرام نے خود اشعار کہے ہیں اور دوسروں سے بھی سنا ہے البتہ ان اشعار میں اللہ و رسول کی باتیں اور دین کی دعوت ہوتی تھی، اب ہم آپ کے سامنے ''اسوۂ صحابہ'' سے کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں :

''صحابۂ کرامؓ اگرچہ اکثر ملکی مہمات، مذہبی خدمات اور علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق عام طور پر پایا جاتا تھا، اس

لئے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے، دوسروں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے اور ان سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ حسب معمول بعد نماز فجر طلوع آفتاب تک مصلے پر نشست فرماتے تھے تو اس حالت میں صحابہ کرامؓ زمانہ جاہلیت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، اشعار پڑھتے تھے، ہنستے تھے اور آپ ان تذکروں کو سن کر مسکراتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ ان کی مجالس میں عام طور پر شعر وشاعری کا چرچا رہتا تھا اور یہ ان کی زندہ دلی کی ایک بڑی علامت تھی چنانچہ "ادب المفرد" میں ہے "لم یکن اصحاب رسول اللہ ﷺ متخرقین ولا متماونین وکانوا یتناشدون الشعر فی مجالسھم ویذکرون امر جاھلیتھم" یعنی صحابہ رسول اللہ مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

خلفاء میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی ملکی مہمات میں مصروف رہتے تھے تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے ایک بار سفر حج کو نکلے تو قافلہ کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ بھی تھے، لوگوں نے حضرت خوّات سے کہا کہ ضرار ابن خطاب کے اشعار سناؤ، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کو اپنے ہی اشعار سنانے دو، چنانچہ وہ صبح تک مسلسل اپنے اشعار پڑھتے رہے صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب بس کرو، ایک دفعہ حضرت

عبداللہ ابن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔

یہ ذوق صرف سنے سنائے اشعار پر موقوف نہ تھا بلکہ ان کو بذات خود ہر قسم کے اشعار اس کثرت سے یاد تھے کہ جب کوئی واقعہ یاد آتا تو اس پر کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ دیتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگرچہ زہد مجسم تھے تاہم شعر و سخن کے بڑے اداشناس تھے اور خود شعر کہتے تھے چنانچہ ایک غزوہ میں ایک مستقل قصیدہ لکھا ہے۔

اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے متعدد منتخب اشعار نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

خلفاء کے علاوہ اور جتنے صحابہ ہیں سب کے سب شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے چنانچہ زمانہ حال کے ایک مصنف نے جمہرۃ العرب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "فلم یبق من الصحابة من لم یقل الشعر او یتمثل به" یعنی کوئی صحابی ایسا نہ تھا جس نے کوئی نہ کوئی شعر نہ کہا ہو یا نہ پڑھا ہو" (اسوۂ صحابہ حصہ دوم ص/۳۶۱)

کفار و مشرکین جب رسول اللہ ﷺ پر اپنے اشعار میں طعن کیا کرتے تھے تو حضرت حسان اور دیگر صحابہ کرامؓ اشعار ہی سے ان کا جواب دیا کرتے تھے اور جبرئیل امین ان کی تائید کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو اشعار دینی مضامین پر مشتمل ہوں ان کے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، سلف صالحین اور

اکابر امت نے دین کی دعوت اور اصلاحی مضامین پر مشتمل اشعار خلوت و جلوت میں پڑھے ہیں اور لوگوں کو اس سے محظوظ و متاثر کیا ہے اور بزرگان دین نے تصوف وسلوک کے بہت سے اعلیٰ وارفع مضامین اشعار میں بیان فرمائے ہیں، فارسی زبان میں ''مثنوی مولانا روم'' میں کیسے کیسے مضامین موجود ہیں جس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بڑے بڑے مشائخ کی مجلسوں میں جاری وساری ہے البتہ وہ اشعار جس میں گناہ کی باتیں ہوں، منکرات وفواحش ہوں ان کا پڑھنا جائز نہیں اور ایسے ہی اشعار کی مذمت نصوص میں وارد ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اِلاَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً وَّ انْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ یعنی شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب! کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں (ٹکریں مارتے تلاش مضامین میں) پھرا کرتے ہیں اور (جب کوئی مضمون مل جاتا ہے تو چونکہ اکثر خلاف واقعہ ہوتا ہے اس لئے) زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں، ہاں مگر جو لوگ (ان شاعروں میں سے) ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کے خلاف نہ ان کا قول ہے نہ فعل یعنی ان کے اشعار میں بیہودہ مضامین نہیں ہیں) اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا (یعنی تائید دین اور اشاعتِ علم میں ان کے اشعار ہیں یہ سب ذکر اللہ میں داخل

ہیں) اور (اگر کسی شعر میں بظاہر نامناسب مضمون ہے جیسے کسی کی ہجو اور مذمت جو بظاہر اخلاق کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ) انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے اس کا بدلہ لیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ کفار یا فساق نے اول ان کو زبانی تکلیف پہنچائی، مثلاً ان کی ہجو کی یا دین کی توہین جو اپنی ہجو سے بھی بڑھ کر تکلیف کا سبب ہے، یا ان کے مال کو یا جان کو ضرر پہنچایا، تو یہ لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ انتقامی طور پر جو شعر کہے گئے ہیں ان میں بعض تو مباح ہیں اور بعض اطاعت و کار ثواب ہیں (تفسیر بیان القرآن) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مطلق اشعار کہنا مذموم نہیں بلکہ بعض اشعار مباح اور بعض موجب اجر و ثواب بھی ہوتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ بہت سے حضرات وہاں جمع تھے اور میں بھی موجود تھا، ان میں سے ایک صاحب شعراء کی مذمت کرنے لگے، تو میں نے کہا کہ مذمت ان شعراء کی ہے جو کتاب و سنت کے خلاف اشعار کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس شعر میں گناہ کی باتیں ہوں، ہنسی مذاق ہو یا کسی کی ہجو و مذمت ہو وہ یقیناً مذموم ہوگا، لیکن وہ اشعار جو کتاب و سنت کے موافق ہوں اور ان میں دین کی دعوت و تبلیغ ہو، ان کو کیسے مذموم کہا جا سکتا ہے لہٰذا شعراء کی مطلقاً مذمت صحیح نہیں جبکہ اہل اللہ نے اور صحابۂ کرامؓ نے اشعار کہے ہیں اور

نبی کریم ﷺ نے اشعار سنے ہیں جیسا کہ حسان ابن ثابتؓ کے بارے میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر اشعار سناتے تھے اور روح القدس آپ کی تائید فرماتے تھے اہل اللہ جن کے دل میں اللہ کی محبت ہے اور وہ اس سے مست و مخمور ہیں ان کے کلام کی دوسری ہی شان ہوتی ہے اس لئے کہ وہ حالی میدان میں گشت کرتے ہیں یعنی ان پر عشق و محبت کا ایک حال غالب ہوتا ہے اس میں وہ اشعار کہتے ہیں اور شعراء جو محض خالی میدان میں گشت کرتے رہتے ہیں ان کے کلام میں اور اللہ والوں کے کلام میں بہت فرق ہے۔

برسوں کی راہ پل بھر میں

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں جیسے آسمان بالکل صاف و شفاف ہو، دھوپ نکلی ہو اور بادل کا کہیں نام و نشان نہ ہو پھر اچانک بادل گھر آوے اور خوب بارش ہونے لگے، ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں تو دونوں حالتوں میں کتنا فرق ہے، اسی طرح جب اہل اللہ پر حال طاری ہوتا ہے تو ان کی کچھ اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے اور اس کیف و حال میں ڈوب کر جو کلام ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے، بعض دفعہ اسی کیف و حال کی برکت سے برسوں کی راہ پل بھر میں طے کرا دیتے ہیں، چنانچہ بزرگان دین اثنائے ذکر میں بھی اشعار پڑھتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دل میں جوش مارتی ہے اور عشق الٰہی موجزن ہوتا ہے۔

اخلاص سے کہی ہوئی بات اثر رکھتی ہے

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگ رسول کو نہیں مانتے تو میں نے ان سے کہا کہ اس کے جواب میں اس وقت میں اپنا ایک شعر آپ کے سامنے پڑھتا ہوں اسی سے میرا عقیدہ معلوم ہو جائے گا اس کو سن لینے کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ جو خیال چاہیں قائم کریں، پھر میں نے یہی شعر پڑھا۔

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

ہم مسلمان ہیں قرآن پر ہمارا ایمان ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ تو جو شخص قرآن کو مانتا ہے وہ اگر حضور اقدس ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتا تو وہ مومن ہی نہیں اس لئے کہ اس میں قرآن کی آیت کا انکار ہے اسی کو میں نے یوں کہا ہے۔

اللہ کا انکار ہے انکار محمدؐ
اقرار ہے اللہ کا اقرار محمدؐ
گر دیدۂ بینا ہو عطا تو نظر آئے
انوار الٰہی سے ہیں انوار محمدؐ
ہو جاتے تھے اصحاب ادب سے ہمہ تن گوش
اس طرح سنا کرتے تھے گفتار محمدؐ

کیا پوچھتے ہو ان کے مدارج کی نہیں تھاہ
انصار محمدؐ ہیں یہ انصار محمدؐ

میں سچ کہتا ہوں کہ بہت سے ایسے لوگ جو صحیح العقیدہ نہیں تھے ان کے سامنے میں نے صرف اپنے اشعار پڑھے اور کوئی دوسری بات نہیں کی، صرف انہی اشعار کو سن کر وہ تائب ہوگئے اور ان کا عقیدہ صحیح ہو گیا پھر آکر میری مجلس میں شریک ہونے لگے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دین اسلام کا مدار کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ہے، اس کلمہ میں توحید کے بعد رسالت کا ذکر ہے، توحید و رسالت کی تصدیق ایمان کہلاتی ہے، مخلوق میں سب سے اعلیٰ و برتر مقام جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا ہے، آپ کی شان یہ ہے کہ مخلوق کے اندر جتنے کمالات ممکن ہیں وہ سب آپ کے اندر جمع ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّهٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے شایان شان آپ کی تعریف و توصیف ممکن ہی نہیں بس قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اعلیٰ وارفع مقام آپ ہی کا ہے۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے اندر جو کمالات الگ الگ موجود تھے وہ سب آپ کی ذات اقدس میں ایک ساتھ جلوہ گر تھے جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کے مقام کی معرفت کے لئے معراج کا واقعہ بھی بین ثبوت ہے، سنئے! حضور اقدس ﷺ جب معراج میں تشریف لے جانے لگے اور بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو آپ کے اکرام کے لئے جمع فرمادیا تھا وہاں پہنچ کر جبرئیل علیہ السلام نے اذان دی پھر نماز کے لئے صفیں تیار ہو کر کھڑی ہوئیں (نبیوں کی سات صفیں تھیں جن میں سے تین صفیں رسولوں کی تھیں اور ان حضرات کے ساتھ فرشتے بھی نماز میں شریک تھے) صفیں تیار کھڑی تھیں لیکن سب اس کا انتظار کر رہے تھے کہ نماز کون پڑھائے، جبرئیل امین نے حضور اقدس ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ کر امامت کے لئے آگے بڑھادیا اور آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی (پہلی رکعت میں ﴿قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی تلاوت فرمائی)

پھر وہاں سے آپ حالتِ بیداری ہی میں آسمان پر تشریف لے گئے اور مختلف آسمانوں پر بہت سے انبیاء کرامؑ سے آپ کی ملاقات ہوئی، چنانچہ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ نے معراج کی رات میں جنت و دوزخ کے احوال کو دیکھا اور ہر آسمان پر بیشمار ملائکہ کو بھی دیکھا، پھر تمام آسمانوں سے گذر کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے وہاں پہنچ کر جبرئیل امین اس سے آگے بڑھنے سے عاجز رہ گئے اس لئے کہ اس مقام سے آگے بڑھنے کی کسی مقرب فرشتہ کو بھی اجازت نہیں، مگر انبیاء کے سردار اس سے بھی آگے بڑھے اور جہاں تک اللہ کو منظور ہوا تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے پھر واپس تشریف لائے۔

صدیق کی صداقت

جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا قریش نے اس پر بہت تعجب کیا اور آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو جھٹلایا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بعض کافروں نے کہا کہ دیکھو تمہارے نبی تو اب یہ کہتے ہیں کہ آسمان پر گئے تھے اور چلے آئے تو کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جب ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور اللہ کا پیغام لے کر فرشتہ آسمان سے زمین پر آتا ہے تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ زمین سے آسمان پر تشریف لے جائیں، اس لئے اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو بیشک ہم اس میں بھی آپ کی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب اسی

دن سے صدیق پڑ گیا۔

صراط مستقیم کیا ھے ؟

پس جب آپ امام الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کی اقتدا فرمائی ہے تو ہم لوگوں کو جو کہ آپ کی امت ہیں چاہئے کہ حضور اقدس ﷺ کی پوری پوری پیروی کریں اور ہر امر میں آپ کی اتباع کو لازم پکڑیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ جس چیز کا تم کو امر کریں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے جملہ اوامر کا امتثال اور تمام نواہی سے اجتناب امت کے لئے لازم اور ضروری ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جس کا سوال ہم اللہ تعالیٰ سے روزانہ اپنی نمازوں میں کرتے ہیں یعنی ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو اپنی زبان سے دُہراتے ہیں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یعنی بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے بھٹک گئے۔

انعام یافتہ حضرات

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مُنعَم علیہم کا راستہ اختیار کرنا مطلوب ہے اور

انہی لوگوں کا راستہ اختیار کرنا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے پس یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ لوگ کون ہیں؟ ان کی تفصیل اللہ تعالیٰ خود دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾ اور وہ لوگ جو اللہ و رسول کا کہنا مان لیں گے تو وہ ایسے حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

ان سب میں اعلیٰ و ارفع مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے جس میں رأس الانبیاء و امام المرسلین حضور اقدس ﷺ کی ذات اعلیٰ صفات ہے، اس کے بعد صدیقین کا مقام ہے، صدیقین سے مراد اولیاء و مقربین ہیں جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دین کو زندہ کئے ہوئے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ جس دین کو حضور اقدس ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایک نقطہ بھی رکھ سکے، یعنی صدیقین کی جماعت وہ ہے جو دین کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان کا ایک خاص تعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے وہ ہر وقت سینہ سپر رہتے ہیں اور بالکل قدم نبوت پر ہوتے ہیں۔

ان کے بعد شہداء ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی، پھر صالحین ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں واجبات میں بھی

اور مستحبات میں بھی جن کو نیک اور دین دار کہا جاتا ہے، اور ان سب کے ذکر کے بعد اخیر میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ یہی لوگ بہترین رفیق ہیں اس میں اس بات کی جانب ترغیب ہے کہ ان کی رفاقت اختیار کرو اور ان کے ساتھ ہو کر چلو تو تم بھی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور اللہ سے واصل ہو جاؤ گے، اس لئے کہ صراط مستقیم انہی کا راستہ ہے اور یہی جنت کا سیدھا راستہ ہے جو اس پر چلے گا وہ جنت تک پہنچ جائے گا میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آیئے

سکونِ دل حاصل کرنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ یعنی اور یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) یہ دین (اسلام اور اس کے تمام احکام) میرا راستہ ہے (جس کی طرف میں باذن الٰہی دعوت دیتا ہوں) جو کہ (بالکل) مستقیم (اور راست) ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا (اور دور) کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کے خلاف کرنے سے) احتیاط رکھو (بیان القرآن)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک

سیدھی لکیر کھینچی اور اس سیدھی لکیر کے اِدھر اُدھر بھی کچھ لکیریں کھینچیں اس کے بعد سیدھی لکیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اور اِدھر اُدھر کی لکیروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جہنم کے راستے ہیں جن کی طرف شیطان کھینچ کر لے جاتا ہے۔

اللہ کے جو سچے بندے ہیں وہ تمام شیطانی راستوں سے بچ کر سیدھے راستہ پر چلے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں، جو صراط مستقیم پر ہوتا ہے اس کو ہدایت پر ہونے کی وجہ سے ایسی طمانینت اور ایسا سکون قلب حاصل ہوتا ہے کہ کسی کے لعن طعن اور کہنے سننے کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا اور وہ سیدھے راستہ پر چل کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔

بھائیو، سنو! جو صراط مستقیم پر اٹل ہو گیا اس کا کیا کہنا، اللہ کی رحمت اس کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ یعنی جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان لوگوں پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

صحابۂ کرامؓ کی تاریخ اٹھا کر پڑھیے تو ان کی استقامت کا حال معلوم ہو کہ انگاروں پر لٹائے جاتے تھے، سینے پر پتھر رکھے جاتے تھے، بدن میں کانٹے

چبھوئے جاتے تھے، شدت کی دھوپ میں کانٹوں پر گھسیٹے جاتے تھے، پھر بھی اَحد اَحد ہی کی صدا لگاتے تھے اس لئے کہ انہوں نے اسلام کو دین برحق سمجھ کر قبول کیا تھا اور اسی پر مرتے دم تک ثابت قدم اور اٹل رہے، حتیٰ کہ اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت، اپنی اولاد ساری چیزوں کو انہوں نے دین اسلام پر قربان کر دیا، عشق و محبت کا اصلی رنگ اور جاں نثاری و فدائیت کا حقیقی نمونہ اگر دیکھنا ہو تو صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ انہوں نے جبل استقامت بن کر سارے عالم کو دکھادیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بھی ایسے ایسے انعامات ہوئے کہ دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری ان کو سنائی گئی اور رضاء الٰہی کا پروانہ ان کے لئے نازل ہوا ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

صحابہ کرامؓ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے بہت کچھ کہلوایا ان میں سے چند اشعار اس وقت پیش کرتا ہوں۔

غلامان سرکار یاد آرہے ہیں　　وہ اعوان و انصار یاد آرہے ہیں
جو چون و چرا جانتے ہی نہیں تھے　　خدا کے وفادار یاد آرہے ہیں
جو پیتے تھے ہر دم شرابِ محبت　　وہی مجھ کو میخوار یاد آرہے ہیں
مسخر ہوئے جن سے اغیار کے دل　　وہ اخلاق و کردار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے　　محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
محبت صحابہ کی پیدا ہو جن سے　　وہ اخبار و آثار یاد آرہے ہیں

قرآن کریم میں آج بھی وہی تاثیر ہے

میں نے پرسوں الٰہ آباد میں بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت جو تیس نفر پر مشتمل تھی سفر میں گئی اور عرب کے کسی قبیلہ میں قیام کیا اور ان لوگوں سے مہمان داری چاہی مگر انہوں نے ان حضرات کی ضیافت نہیں کی، پھر واقعہ یہ پیش آیا کہ اس قبیلہ کے سردار کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا، بہت سے اطباء علاج کے لئے بلائے گئے اور انہوں نے ہر ممکن کوشش کی، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور امیر کو کسی طرح شفا نہیں ہو رہی تھی، کسی نے کہا کہ تم لوگ اگر اس جماعت کے پاس جاؤ جو باہر سے آکر ٹھہری ہوئی ہے تو شاید ان میں سے کوئی اس مرض کو دور کرنے کا منتر جانتا ہو، جاؤ ذرا پوچھو تو سہی چنانچہ لوگوں نے جاکر ان حضرات سے کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ان کی شفا کے لئے ہر ممکن تدبیر کی، لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی، کیا تم میں سے کسی کے پاس اس کا منتر ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ ہاں! بخدا میں اس کا منتر جانتا ہوں مگر چونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمانی کا حق ادا نہیں کیا اس لئے جب تک تم کوئی معقول اجرت نہ مقرر کروگے ہم تمہارے امیر کو دم نہ کریں گے چنانچہ ان لوگوں نے تیس بکریاں دینا منظور کیا ایک روایت میں سو (۱۰۰) بھی آیا ہے تو جاکر سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا اسی وقت امیر ہوش میں آگیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس طرح چلنے پھرنے لگا گویا کہ اس کو کوئی مرض ہی لاحق نہ ہوا تھا پھر شرط کے مطابق ان کو بکریاں

دے کر رخصت کیا۔

اب صحابۂ کرامؓ میں اختلاف ہوا کہ ان بکریوں کا کھانا کیسا ہے؟ کسی نے کہا کہ ان کو آپس میں تقسیم کر لیا جائے، مگر جنہوں نے دم کیا تھا انہوں نے کہا کہ بھائی ان کو اس وقت تک تقسیم نہ کرو جب تک کہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اس واقعہ کا ذکر نہ کر لیں، پھر ہم انتظار کریں کہ آپ ہمیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ یہ طے کر کے چلے جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پورا واقعہ ذکر کیا تو آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ اس زہر کا منتر ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا اس کو تقسیم کرو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ۔

بھائی سنو! کلام پاک میں آج بھی وہی تاثیر موجود ہے مگر ہمارے پاس زبان نہیں اور ہمارے سینوں میں وہ دل نہیں جس سے صحابۂ کرامؓ اور اہل اللہ تلاوت کرتے تھے، اس لئے پہلے اپنی زبان کو پاک کرو اور دل کو صاف کرو اس کے بعد جب کلام اللہ کی تلاوت کرو گے تو اس کا اثر ہو گا، اللہ والوں کی زبان میں بھی اثر ہوتا ہے۔

ظاہر اور باطن کا فرق

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے مواعظ میں یہ واقعہ میں نے پڑھا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے صاحب زادے جب فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے تو ان کا وعظ ہوا اور بہت دیر تک بیان ہوا،

بہت سی عمدہ عمدہ باتیں بیان فرمائیں لیکن کسی پر کچھ اثر نہ ہوا، رمضان کا زمانہ تھا ان کو خیال ہوا کہ میں نے اتنا لمبا بیان کیا، قرآن کی آیتیں پڑھیں، حدیثیں پڑھیں، بزرگوں کے واقعات سنائے مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا آخر کیا بات ہے؟ پھر اس کے بعد حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ خود مجلس میں تشریف لائے آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ بھائی میری سحری کے لئے دودھ رکھا ہوا تھا، رات میں بلی دودھ پی گئی اس وجہ سے آج میں نے بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا، اتنا کہنا تھا کہ سارے مجمع پر گریہ طاری ہو گیا، سب لوگ رونے لگے عجیب حال ہو گیا گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ گیا۔

حضرت شیخؒ کی زبان میں وہ اثر تھا جس سے سارا مجمع متأثر ہو گیا، تو آخر کیا بات تھی؟ بات یہ تھی کہ آپؒ کے دل میں وہ درد و سوز تھا جس کا اثر لوگوں کے قلوب پر پڑتا تھا، حضرت شیخ المشائخؒ نے اپنے اس حال سے ظاہر فرمایا کہ علم اور چیز ہے اور یہ باطنی دولت و کیفیت اور چیز ہے، اللہ والے جب بولتے ہیں تو اللہ ہی کے لئے بولتے ہیں اور قرآن و حدیث سے خود متأثر ہو کر بولتے ہیں اس واسطے ان کے بولنے میں اثر ہوتا ہے اور جس طرح اللہ والوں کی زبان میں اثر ہوتا ہے اسی طرح ان کی آنکھ میں بھی اثر ہوتا ہے، حق تعالیٰ ان کو نور فراست عطا فرماتے ہیں جس سے حق و باطل میں تمیز کرتے ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا

ٹپکتا ہے، تو یہ نور فراست ہی تھا۔

حدیث شریف میں بد نگاہی کو آنکھ کا زنا فرمایا گیا ہے، اس کا اثر آنکھ میں رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر مکشوف فرمادیتے ہیں، اللہ والوں کے پاس بہت سنبھل کر جانا چاہئے اور اپنے دل کو بدلنے کے لئے اور علم و عمل میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے جانا چاہئے، بھائی اخلاص ہی عمل کی روح ہے، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد آیا، سنئے۔

عمل کی روح ہے اخلاص، جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

اهل الله کا یهی کمال هے

حضرت حکیم الامتؒ نے نقل فرمایا ہے کہ شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ کے درس میں ایک لڑکا آیا کرتا تھا جو ذرا آزاد قسم کا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ اس کو غسل کی حاجت تھی اور اسی حال میں کتاب لے کر درس میں شرکت کے لئے آنے لگا، شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے، اس لڑکے کو مسجد کے دروازے پر دیکھا تو حضرتؒ پر اس کا حال منکشف ہو گیا چنانچہ معاً فرمایا کہ وہیں کھڑے رہو، مسجد میں نہ آؤ، پھر باقی طلباء جو شاہ صاحبؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان سے فرمایا کہ بھائی چلو آج دریا میں نہا آئیں چنانچہ سب لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحبؒ کے اس انداز سے وہ طالب علم بہت متأثر ہوا اور تنہائی میں جا کر حضرت سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔

اہل اللہ کا یہی کمال ہے کہ شریعت کا بھی پورا پورا پاس و لحاظ فرماتے ہیں اور بندگان خدا کی بھی رعایت فرماتے ہیں اور حتی الوسع کسی کی پردہ دری اور رسوائی نہیں چاہتے اور حلم و عفو اور ستر میں بھی متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ گنہگاروں کی ستاری فرماتے ہیں، اسی کو مولانا رومؒ مناجات میں یوں فرماتے ہیں۔

جرم من آرم تو معذاری کن　　من گنہ آرم تو ستاری کن

یعنی ہم جرم کرتے ہیں اور آپ عذر قبول فرماتے ہیں اسی طرح ہم گناہ کرتے ہیں اور آپ ستاری فرماتے ہیں۔

جرمہا بینی و خشمے ناوری　　اے بقربانت چہ نیکو داوری

خطائیں دیکھتے ہیں اور غصہ نہیں ہوتے، آپ کس قدر اچھے مالک ہیں آپ پر سو جان سے قربان ہونا چاہئے۔

فراست مومن کا ایک واقعہ

اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ باطن میں ایک نور عطا فرماتے ہیں جس سے وہ لوگوں کے قلوب کو دیکھتے ہیں، چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عبا چوغہ پہن کر، عمامہ باندھ کر حمائل گلے میں لٹکا کر تسبیح پڑھتا ہوا آیا اور آکر ان سے سوال کیا کہ حضرت ایک حدیث کا مطلب دریافت کرنے آیا ہوں، اس کو بہت سے علماء سے پوچھا کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا، انہوں نے فرمایا پوچھو! تو عرض کیا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اِتَّقُوْا

فِرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ" مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اس حدیث میں جس فراست کا ذکر ہے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے برجستہ فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہودی ہو اور علماء کا لباس پہن کر حمائل گلے میں لٹکا کر مجھ کو دھوکہ دینے کے لئے آئے ہو اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد وہ فوراً تائب ہو گیا اور انہی بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور کلمہ پڑھ لیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نور باطن کہاں ملتا ہے ؟

یہی وہ نور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثتاً منتقل ہو کر سینہ بسینہ چلا آرہا ہے اور اسی کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "مالابد منہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را منور باید گردانید" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو اولیاءء کاملین کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہئے اور اس نور سے اپنے دلوں کو منور کرنا چاہئے۔

"مالابد منہ" فقہ کی کتاب ہے لیکن اس کے اخیر میں قاضی صاحب نے "کتاب الاحسان" کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں سلوک کے مسائل بیان فرمائے ہیں اور نسبت احسان کی طرف متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اس میں فرماتے ہیں کہ "ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام بود، اما حقیقت و مغز ایں

از درویشاں باید جست" یعنی شروع کتاب سے یہاں تک جو کچھ کہا گیا ایمان واسلام کی صورت ہے لیکن اس کی حقیقت اور مغز کو درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہئے۔

اس سے مراد وہی نسبت احسان اور نور فراست ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس سے بہرہ ور فرمائے۔

بھائی! جب آدمی اطاعت و عبادت کرتا ہے اور مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہتا ہے تو اس سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے، اسی طرح معصیت سے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے، ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ولی ہو جاتے ہیں اس کو نور عطا فرماتے ہیں اس کی روشنی میں وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی طے کراتا ہے۔

استغراقی کیفیت والا کار نبوت انجام نہیں دے سکتا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر اللہ کے ذکر سے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے

جس میں وہ مستغرق رہتے ہیں ان کو کسی کا ہوش نہیں رہتا پھر ان ہی میں سے جن سے اللہ تعالیٰ دین کی خدمت لینا چاہتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا کام سپرد کرنا چاہتے ہیں تو اس کو ہوش میں لاتے ہیں، اس لئے کہ استغراقی کیفیت والا کار نبوت نہیں انجام دے سکتا کیوں کہ اس کے لئے کامل ہوش کی ضرورت ہے اس لئے اس کو ہوش میں لا کر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان بٹھلا دیتے ہیں اور بولنے کا حکم فرماتے ہیں پھر وہ اللہ کے حکم سے بولتا ہے تو اس کے کلام سے لوگوں کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے وہ ایسے مقام پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کامل توجہ اور حضوری اس کو حاصل رہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مخلوق کی طرف بھی متوجہ رہتا ہے اور لوگوں میں ملا جلا رہتا ہے، حضور ﷺ کی شان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، یہ ان کے نائبین کا حال بیان کر رہا ہوں۔

اس زمانہ کا کیا حال ہوگا؟

حضرت غوث پاکؒ برسہا برس تک مجاہدات میں رہے اور سکوت کی حالت میں وقت گذرانہ معلوم کتنے صحرا اور بیابان کی خاک چھانی، خلوت میں ذکر کرتے اور رات کی رات اللہ کی عبادت میں گذارتے رہے، اس کے بعد جب بغداد تشریف لائے تو جمعہ کا دن تھا، بغداد کی جامع مسجد میں پہلا بیان آپ کا ہوا اور لوگوں پر بہت اثر ہوا، جب وعظ کہنے کے لئے آپ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک باغ کے اندر دیکھا کہ شیطان چادر اوڑھے ہوئے

لیٹا ہے آپ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ابلیس ہوں، آپ نے پوچھا کہ تم کو فرصت کیسے مل گئی جو اس قدر اطمینان سے سو رہے ہو؟ تو اس نے کہا اب تک میں نے بہت محنت کی اب بہت سے لوگوں کو کام پر لگادیا ہے اس لئے سوچا کہ تھوڑا آرام کرلوں، تو حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ سچ سچ بتلادے کہ تو یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ تب اس نے کہا کہ حضرت! میرے بہت سے شاگرد علماء و مشائخ کے لباس میں پیدا ہوگئے ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ سے بہکا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صرف علماء و مشائخ کا لباس اختیار کرلینا اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کہنے لگنا کافی نہیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس کا کام انجام دیتا ہو اور بظاہر علماء کی صف میں شمار ہوتا ہو۔

اور جب غوث پاکؒ کے زمانہ کا یہ حال تھا تو اب اس دور کا حال کیا ہوگا آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میں تو گونگا تھا آپ مجھ کو مخلوق میں لائے اور مجھ سے بلوایا، سو، اَے اللہ! میرے بولنے میں اثر ہو اور اس سے مخلوق کو نفع ہو تو خیر، ورنہ مجھے اسی گمنامی میں لوٹا دیجئے۔

یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم بن جانے کے بعد یہ لازم نہیں کہ فوراً منبر پر بیٹھ جائے اور وعظ کہنے لگے بلکہ عالم کے لئے بھی لازم اور ضروری ہے کہ پہلے اللہ والوں کے پاس جاکر دل کو درست کرے اور دل کو دل بنائے تب اس

کی زبان میں اثر ہو گا۔

میرا اپنا ہی ایک شعر ہے سنئے ۔

دوستو! کچھ آسان نہیں ہے　　دل مشکل سے بنتا ہے دل

اور اہل اللہ کی خدمت میں جا کر دل بنتا ہے ۔

بے عنایات حق وخاصان حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

اور واقعی جب دل میں اللہ سے تعلق اور ان کے ساتھ نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس کا بولنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے جس سے سامعین پر ایک خاص اثر ہوتا ہے میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں اور یہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کو ڈالا ہے، کہ جس طرح پانی کا نل لگا ہوا ہو اور اس کے نیچے کوئی برتن رکھ کر ٹونٹی کھول دی جائے اور ابھی تھوڑا سا پانی اس میں جمع ہو تو اس کو گرا دے پھر جب تھوڑا جمع ہو جائے تو اس کو بھی گرا دے، اسی طرح تھوڑا تھوڑا پانی گراتا رہے تو وہ برتن کبھی بھرنے نہ پائے گا اور اگر برتن کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور ٹونٹی سے پانی اس میں بھرتا رہے تو ایک وقت ایسا ہو گا کہ وہ برتن لبریز ہو کر اس کے ہر طرف سے پانی بہنا شروع ہو جائے گا، اور اب اس پانی کے بہنے میں برتن کے اختیار کا کوئی دخل نہ ہو گا، بلکہ وہ پانی کو روکنا چاہے گا تب بھی نہ رکے گا، بالکل اسی طرح سے کچھ دنوں تک ذکر اللہ میں مشغول رہنے، اللہ اللہ کرنے اور بزرگوں کی صحبت میں رہنے کے بعد دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے

اور ایک خاص جذبہ اور داعیہ ابھرتا ہے اور بے اختیار ہو کر بولنے لگتا ہے اور اس کا یہ بولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں اس کے اختیار کا کچھ دخل نہیں ہوتا، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، بلکہ منجانب اللہ اس کی زبان پر قرآن وحدیث کی باتیں جاری کی جاتی ہیں اور اس سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی شان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ یعنی وہ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے بلکہ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے تھے بلکہ جو کچھ فرماتے تھے وہ سب وحی ہوتی تھی، اللہ کی طرف سے بولتے تھے۔

اسی طرح جو عالم ربانی ہوتا ہے اس کو بھی نیابتاً اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے اور اس کی بھی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ بولتا ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق بولتا ہے جہاں اپنی مرضی ملایا اور دین میں اپنی رائے کو شامل کیا بس وہیں سے گمراہی آئی۔

جتنے فرقے صحیح راستہ سے بہکے اور گمراہ ہوئے وہ اسی خواہش نفسانی کی وجہ سے بہکے اس لئے اپنے نفس کو قابو میں کرنے اور خواہش کو چھوڑنے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو محض علم حاصل ہوا اور علماء ربانی کی صحبت نہ حاصل ہوئی اس کے گمراہی میں پڑنے کا اندیشہ ہے، اسی بنا پر علماء

باکمال نے ہر دور میں اولیاء کاملین کی طرف رجوع فرمایا ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی طرف رجوع فرمایا، اسی طرح مولانا عبدالحی صاحب برہانپوریؒ، مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ نے حضرت سید صاحبؒ کی طرف رجوع فرمایا، اسی طرح شیخ علوان حموی، شیخ عبادہ مالکیؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت شیخ مدینؒ کی طرف رجوع فرمایا، اور ان میں کا ہر ایک اپنے اپنے دور کا عالم ربانی اور شیخ کامل ہوا۔

لہٰذا اہل اللہ کی صحبت کا بھی اہتمام کرنا چاہئے اور کچھ وقت نکال کر بزرگوں کی خدمت میں جانا چاہئے، اسی سے کام بنتا ہے انہی بزرگان دین کی برکت سے دل واقعی دل بنتا ہے ان کی نگاہ واقعی کیمیا اثر رکھتی ہے اور ناقص کو کامل بنادیتی ہے، حضرت خواجہ صاحب مجذوبؒ فرماتے ہیں ؎

ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا　　مجذوب نارسیدہ کو واصل بنادیا
اتنا ابھارا صدر افاضل بنادیا　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

(خواجہ صاحبؒ کے ان اشعار کو حضرت اقدس کی زبان سے سن کر مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے جو شریک مجلس تھے ارشاد فرمایا کہ صدر افاضل پر ایک واقعہ یاد آیا، ایک دفعہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اعظم گڈھ دار المصنفین میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت حکیم الامتؒ کے اور خلفاء بھی تشریف رکھتے تھے، مثلاً ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ، علامہ سید سلیمان

ندویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، یہ سب حضرات تشریف فرما تھے، مگر صاحب مجلس خواجہ صاحبؒ ہی ہوتے تھے، یہ سب حضرات خاموش رہتے اور خواجہ صاحبؒ متکلم رہتے، حضرت خواجہ صاحبؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اور حضرات تو حضرت تھانویؒ کی باتیں اپنے لفظوں میں سناتے تھے مگر خواجہ صاحبؒ روایت باللفظ فرماتے تھے، یعنی حضرت کی باتیں حضرت ہی کے الفاظ میں نقل فرماتے تھے، اس لئے جب خواجہ صاحبؒ کسی مجلس میں ہوتے تو سب حضرات انہی کی طرف متوجہ رہتے اور ان کی باتیں شوق سے سنتے تھے اور محظوظ و متاثر ہوتے تھے، اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرمارہے ہیں۔

اتنا ابھارا صدر افاضل بنادیا　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

سبحان اللہ! اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچادیتی ہے۔

اس کے بعد محترم کامل صاحب نے مندرجہ ذیل غزل "عرفان محبت" سے پڑھ کر سنائی، پھر حضرت کی دعا پر مجلس ختم ہوئی۔

(غزل آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

لا مجھ کو دکھا، ان کی طرح کوئی اگر ہے

پنہاں تری فرقت میں قیامت کا اثر ہے
قربت میں منور مری ہر شام و سحر ہے

صد شکر مجھ عاصی پہ تری خاص نظر ہے
اب شام مری شام، سحر میری سحر ہے

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اسکی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

کچھ اور نہیں، صرف یہ فیضان نظر ہے
جو ذرۂ ناچیز تھا وہ رشکِ قمر ہے

تسلیم، کہ حاصل تجھے ہر علم و ہنر ہے
لیکن یہ بتا کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے

ساقی نے جسے جامِ محبت سے نوازا
دل اسکا ہے دل، اور نظر اسکی نظر ہے

ہم خوف سے لرزاں ہیں اور امید سے رقصاں
قرباں! یہ سب انکی محبت کا اثر ہے

فیضانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت
اب میں ہوں تری یاد ہے اور دیدۂ تر ہے

میں انکے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دکھا، ان کی طرح کوئی اگر ہے

احمدؔ کو ملے کیوں نہ غمِ عشق کی دولت
قسمت سے وہ محبوب کا منظور نظر ہے

صحابہ کرامؓ : حق کا معیار

اقتباس

حضرات صحابہؓ نے قیامت تک کے لئے ایسا نمونہ پیش فرمادیا ہے کہ اگر اس کو ہم پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات کو غور سے پڑھیں تو دل کی دنیا بدل جائے، ان کی زندگی پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا اور حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئ محض ہونا، ان سب چیزوں کا ان کو کامل یقین تھا، وہ یہ سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے، اسی بنا پر انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اللہ اور رسول راضی ہوں اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، جس سے ان کو یہ مقام حاصل ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

مؤمن کی شان

ارشاد فرمایا کہ سنئے !ہم لوگ وعظ کی مجلسوں میں علماء ربانیین کا بیان سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے ہیں، تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ سننے کی توفیق ہو مگر محض سننا ہی کافی نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود عمل کرنا ہے اور اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالنا ہے اور قرآن وحدیث کے مطابق اپنے کو بنانا ہے، مؤمن کی شان یہی ہے کہ اللہ ورسول کی باتوں کو سن کر اس کی تصدیق کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بناوے اور اپنے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی سعی وکوشش کرے۔

تقوی کی ایک علامت

ہمارے سامنے صحابہ کرامؓ کی زندگی موجود ہے کتابوں میں ان کے حالات درج ہیں جو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہے، وہ اللہ ورسول کے حکموں کو سن کر ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہتے تھے اور جو کچھ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے اس پر بجان ودل عمل کرتے تھے، یہ حضرات نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہے، حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے، حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حضرات صحابہؓ اس طرح بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں اور اس قدر ادب ان پر غالب تھا کہ سامنے بلند آواز سے بولتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ یعنی بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کردیا ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرات صحابہؓ کی اس بات پر مدح فرمارہے ہیں کہ اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک پست رکھتے ہیں اور اس کو ان کے تقویٰ کی علامت اور عند اللہ اجر عظیم کے استحقاق کا سبب قرار دے رہے ہیں

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ:

شان نزول

ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بات زیر غور تھی کہ اس قبیلہ پر حاکم کس کو بنایا جائے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قعقاع ابن معبد کی نسبت رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع ابن حابس کے متعلق رائے دی، اس معاملہ میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین آپ کی مجلس میں گفتگو ہو گئی اور گفتگو بڑھ کر دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَاتَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر ﷺ کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

آداب مجلس نبوی

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ "یہ دوسرا ادب مجلس نبوی کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا، یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے

ہیں ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور مجلس نبوی

چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرامؓ کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت ابن قیسؓ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔

قاضی ابو بکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔

مجلس حدیث بھی مجلس نبوی کی قائم مقام

اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی یا بیان کی جارہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر سننا واجب اور ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔ انتہیٰ

صحابۂ کرام کا طغرائے امتیاز

حضرات صحابہؓ نے قیامت تک کے لئے ایسا نمونہ پیش فرمادیا ہے کہ اگر اس کو ہم پیش نظر رکھیں اور ان کے حالات کو غور سے پڑھیں تو دل کی دنیا بدل جائے، ان کی زندگی پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک دنیا کا فانی ہونا، آخرت کا باقی ہونا اور حق تعالیٰ کا کارساز ہونا اور اپنا لاشئ محض ہونا، ان سب چیزوں کا ان کو کامل یقین تھا، وہ یہ سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے، اسی بنا پر انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اللہ اور رسول راضی ہوں اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا، جس سے ان کو یہ مقام حاصل ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ وہ اللہ و رسول کی ہر بات پر ﴿سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا﴾ کہتے تھے، اللہ و رسول کی باتوں کو سننا اور ماننا ان کا طغرائے امتیاز تھا، خود اللہ تعالیٰ نے اس بات پر ان کی مدح فرمائی ہے۔

سننے کے لئے ماننا لازم ہے

بھائی سنو! سننے کے لئے ماننا لازم ہے، اس لئے کہ جس نے سنا اس نے مانا اور جس نے نہیں مانا گویا اس نے سنا ہی نہیں، لہٰذا ہماری مجلسوں میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، خواہ وہ منظوم ہو یا غیر منظوم یہ دین کی دعوت ہے اس کو غور سے اور توجہ کے ساتھ سنیں اور یہ سمجھیں کہ یہ دنیا مٹ جانے والی ہے اور

آخرت باقی رہنے والی ہے، اس کے بعد قیامت کے دن سوائے اعمال صالحہ کے کوئی چیز کام آنے والی نہیں ہے، اس لئے جس قدر ہو سکے اعمال صالحہ کا اہتمام کریں۔

نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت کرنا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گذارنا، یہ مومن کا کام ہے اور یہی زندگی کا اصل مقصد ہے کہ اللہ و رسول سے ایسی محبت پیدا ہو جس کی وجہ سے اپنی مرضی کو، اپنی رائے کو اور پسند و چاہت کو مٹا کر اللہ و رسول کی مرضی میں فنا ہو جائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے ؎

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

اسی طرح مومن کی شان یہ بھی ہے کہ آخرت کا یقین کامل رکھے اور اس کی تیاری میں لگا رہے اللہ تعالیٰ متقیوں کی صفات میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔

آخرت کا ساتھی

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کا تعلق تین چیزوں سے ہے، مال، اہل و عیال اور اعمال، مال سے بھی آدمی کو محبت ہوتی ہے اور اس کی بھی دنیا میں ضرورت ہے، اس کو حاصل کرنا منع نہیں اگر شریعت کے مطابق جائز

طریقہ سے حاصل کریں، البتہ ناجائز طریقہ سے مال حاصل کرنا جیسے رشوت ہے، غصب ہے، سرقہ ہے، یہ جائز نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بہر حال آدمی کا تعلق مال، اہل و عیال اور اعمال تینوں سے ہے، ان میں سے دو ساتھی یعنی مال اور اہل و عیال قبر تک پہنچا کر واپس چلے آتے ہیں مگر اعمال قبر میں بھی ساتھ رہنے والے ہیں اور مؤمن کا عمل قبر میں اس سے کہتا ہے کہ تمہارے دو ساتھیوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا اور میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ میری طرف تمہاری توجہ کم تھی۔

پس معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اہتمام کی چیز اعمال ہیں، دنیا میں رہ کر مال حاصل کرنے کے طریقے جو جائز ہیں ان کو اختیار کر سکتے ہیں، تجارت، زراعت، ملازمت، جو چاہیں اختیار کریں مگر اعمال سے غافل نہ ہوں، آخرت میں اعمال ہی کام آنے والے ہیں، مال سے متعلق بھی احکام ہیں، ان کو علماء سے دریافت کریں اور پوچھ پوچھ کر اسی کے مطابق عمل کریں، اسی طرح اعمال میں بھی اس کا لحاظ کریں کہ ہمارا ہر عمل سنت کے مطابق ہو، نیکی دراصل وہی ہے جو سنت کے مطابق ہو، اگر کوئی شخص خلاف سنت پہاڑ کے برابر بھی عمل کرے تو اللہ و رسول کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں۔

عقل کو رخصت کر دینے والی بلا

پس اعمال میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اس میں ریا و سمعہ کا دخل نہ ہو، اور کسی عمل میں بدعت شامل نہ ہو، بدعت ایسی بری بلا ہے کہ اس کے

ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ روزہ، بدعت ایسی بری بلا ہے کہ جس جگہ داخل ہوتی ہے وہاں سے عقل کو بھی رخصت کر دیتی ہے لہٰذا بدعت سے اجتناب کی ہر امر میں سعی کرنی چاہئے۔

ایک ضروری گذارش

اور اپنے جملہ اطوار وعادات میں یعنی کھانے پینے میں، لینے دینے میں، شادی غمی میں غرض جملہ امور میں اتباع سنت کا اہتمام کرنا چاہئے، آج کل شادیوں اور تقریبات میں عام طور پر جو خرافات ہوتی ہیں ان سب سے بچیں، آپ دیکھتے ہوں گے کہ شادیوں میں عموماً باجا ہوتا ہے حالانکہ باجا بالکل حرام ہے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مزامیر حرام ہیں، اس لئے ان خرافات سے خود بھی احتراز کرنا چاہئے، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان کو بھی روکنا چاہئے۔

اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں

ہمارے اکابر لکھتے ہیں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ وہ اللہ ہی کے لئے ہو، مومن کو ہر وقت یہ فکر رہنی چاہئے کہ ہمارا جو قدم اٹھے وہ شریعت وسنت کے مطابق اور اللہ ورسول کی مرضی کے موافق اٹھے، اتباع سنت پر ابھارنے کے لئے جس طرح اللہ و رسول کی محبت ضروری ہے اسی طرح خوف بھی ضروری ہے۔

جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف آجاتا ہے تو سنت کا اتباع آسان ہو جاتا ہے اور آدمی کا ہر قدم سنت کے مطابق اٹھنے لگتا ہے، صحابۂ کرامؓ کے

اندر حضور اقدس ﷺ کے فیض صحبت سے یہی خوف پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے خود نبی کریم ﷺ کے حالات میں غور کیجئے تو آپ کو حضور ﷺ کے خوف کا بخوبی اندازہ ہو گا۔

غیر اللہ کی ہیبت دل سے نکالنے کا نسخہ

صحابہ کرامؓ کی شان یہ تھی کہ پھٹے پرانے اور پیوند دار کپڑوں میں رہنے کے باوجود دل میں اللہ و رسول کی محبت جگہ کئے ہوئے تھی ان کو اللہ و رسول کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ تھی اور خدا سے تعلق کی وجہ سے ان کے قلب میں ایسی قوت تھی کہ کسریٰ و قیصر سے مقابلہ کا عزم رکھتے تھے اور بڑی سے بڑی طاقتور حکومتوں سے ذرہ برابر نہیں ڈرتے تھے جس دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول کی محبت گھر کر لیتی ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی ہیبت اس کے قلب کے قریب نہیں آتی۔

کبھی اہل ایماں کی پہچان یہ تھی

عرصہ کی بات ہے میں نے ایک کتاب میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں چند اشعار لکھے ہوئے دیکھے تھے جس میں انکی شان کا خوب ہی نقشہ کھینچا ہے، سنئے۔

عباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر　　قدم کے تلے تاجِ کسریٰ و قیصر
غذا نانِ جَو، وہ بھی کمتر میسر　　مگر ہاتھ میں زور تسخیر خیبر
کبھی اہل ایماں کی پہچان یہ تھی　　کبھی اہل اسلام کی شان یہ تھی

حضرت فاروق اعظمؓ کی شان کیا تھی، امیر المومنین ہونے کے باوجود

آپ کے کپڑوں پر پیوند ہوتے تھے، بات یہ تھی کہ ان حضرات کے قلوب میں آخرت کا یقین اور جنت و دوزخ کا یقین گھر کئے ہوئے تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلق تھا کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے مستغنی رہتے تھے اور باوجود معمولی کپڑوں میں رہنے کے منجانب اللہ ان کو ایسا رعب عطا کیا گیا تھا کہ سارے عالم میں ان کا دبدبہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے لشکر نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو اہل شہر نے کہا کہ تم اپنے خلیفہ کو بلاؤ، ہماری کتاب میں ان کا حلیہ لکھا ہوا ہے اگر مطابق ہو جائے تو ہم بغیر جنگ کئے ہوئے ہی قلعہ کا دروازہ کھول دیں گے اور شہر تمہارے حوالہ کر دیں گے، چنانچہ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اطلاع بھیجی تو آپ بیت المقدس کے لئے روانہ ہو گئے، بوقت روانگی آپ کا یہ حال تھا کہ پیوند لگے ہوئے معمولی کپڑے زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور اونٹ پر سوار تھے، یہ دیکھ کر اسلامی سپہ سالاروں نے آپ سے درخواست کی اور عرض کیا کہ آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں لہٰذا اچھے اور صاف کپڑے پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلیں، حضرت عمرؓ نے لوگوں کی اس درخواست پر کپڑے بدل لئے اور اونٹ سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گئے مگر ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ فرمانے لگے کہ میرا نفس ان چیزوں کی وجہ سے

متغیر ہو رہا ہے لاؤ میرے پرانے کپڑے اور میرا اونٹ، میں اسی پر چلوں گا اور یہ فرمایا:

"نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ"

یعنی ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے، یہ فرمایا اور پھر وہی پیوند دار کپڑے پہن لئے اور اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ ایک غلام تھا اس سے یہ طے فرمایا کہ ایک منزل تک میں سوار ہو کر چلوں گا اور تم اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلو گے اور ایک منزل تم سوار ہو کر چلو گے اور میں نکیل پکڑ کر چلوں گا، چنانچہ اسی کے مطابق منزل بہ منزل سفر طے ہوتا رہا جب آخری منزل آئی تو اس وقت غلام کے اونٹ پر بیٹھنے کی باری تھی، غلام نے عرض کیا کہ حضرت اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سوار ہو جائیں اور میں پیدل چلوں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہ کروں گا کیونکہ یہ خلاف عدل ہے۔

سبحان اللہ! یہ تھا عدل فاروقی کہ اپنے غلام کے ساتھ باوجود اس کے اصرار کے خلاف انصاف قدم رکھنا گوارہ نہ فرمایا۔

الغرض اسی طرح سے آپ قلعہ کے سامنے پہنچے کہ غلام اونٹ پر سوار تھا اور آپ اس اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چل رہے تھے، مخالفین نے قلعہ کے اوپر سے آپ کے حلیہ کو کتاب سے منطبق کرنا شروع کیا چنانچہ "طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ" یہی حلیہ ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ ایسے ایسے کپڑے ہوں گے اور

اونٹ کی سواری پر اس طرح آویں گے کہ ان کا غلام اونٹ پر سوار ہوگا اور خود اس کی نکیل پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہوں گے۔

بس اہل شہر نے ان کو دیکھتے ہی قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔

اللہ اکبر! حضرت فاروق اعظمؓ کے اخلاص کی یہ برکت تھی جو ظاہر ہوئی، یہ معمولی اخلاص کی بات نہیں کہ امیر المومنین ہو کر اس سادگی پر قناعت فرماتے تھے اور اچھے اچھے کپڑوں کی وجہ سے جب نفس کو ذرا سی حرکت ہوئی فوراً اس کو اتار کر پھینکا، اور کیا ٹھکانہ ہے اس اخلاص کا کہ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بلا تکلف اس کو ظاہر بھی فرمادیا کہ میرے نفس میں عمدہ جوڑے اور گھوڑے کی وجہ سے تغیر پیدا ہونے لگا یہ کام ہر ایک کے لئے آسان نہیں یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کی نظر مخلوق سے ہٹ چکی ہو اور اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کر چکا ہو۔

عبدیت و تواضع کا مجسم نمونہ

اس واقعہ کی مناسبت سے ایک دوسرا واقعہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا یاد آگیا، اس کو نقل کرتا ہوں، اب سے تقریباً چالیس سال قبل کا واقعہ ہے کہ قصبہ مئو آئمہ ضلع الہ آباد میں ایک بہت بڑا جلسہ "احناف کانفرنس" کے نام سے منعقد ہوا تھا جس میں ہندوستان کے مشہور چوٹی کے علماء تشریف لائے تھے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ،

مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور دوسرے بہت سے علماء تشریف لائے تھے جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ کی امامت حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے فرمائی اور جلسہ کا صدر بھی انہی کو مقرر کیا گیا، پہلے معذرت فرمائی اس کے بعد تشریف لائے اور کرسیٔ صدارت پر بیٹھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس وقت اکابر کی موجودگی میں کرسیٔ صدارت پر بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر امتثالاً للامر بیٹھ گیا اور پھر ایک واقعہ یاد آیا جس سے مجھے تسلی ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کا مندرجہ بالا واقعہ ذکر فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ آپ انصاف سے بتلائیں جس وقت ان کا غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور خود وہ نکیل پکڑ کر پیدل چلتے تھے اس وقت کیا اس غلام کے دل میں اس کا وسوسہ بھی آتا ہوگا کہ میں حضرت عمرؓ سے افضل ہوں؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہاں سمجھ لیجئے کہ میری مثال اس وقت بالکل اسی غلام جیسی ہے اور جن اکابر نے مجھے یہاں بیٹھنے کا حکم فرمایا ان کی حیثیت فاروق اعظمؓ جیسی ہے۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ تمثیل پیش فرمائی، اس کو سن کر تمام علماء پھڑک اٹھے اور عش عش کرنے لگے، مجھے بھی بہت پسند آئی اور اس کو برابر بیان کیا کرتا ہوں، ان حضرات کی عجب شان تھی، ان کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، واقعی ان حضرات کے پیش نظر محض اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی ہوتی تھی اور ان کو آخرت کا ایسا یقین حاصل تھا کہ کسی وقت اس سے غفلت اور

ذہول نہ ہوتا تھا۔

بھائی! آخرت پر یقین اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا یقین بہت ضروری ہے یہ دنیا چھوٹ جانے والی ہے اور یہاں کی بہار چند روزہ ہے اس لئے آخرت کی فکر ہر مسلمان کو کرنا چاہئے اور آخرت میں کام آنے والی چیز اعمال صالحہ ہیں اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

وعظ منظوم

میری ایک نظم ہے جس میں پورا وعظ ہے، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم تو میرے کلام کو وعظ منظوم فرماتے ہیں اب آپ اس نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

خدا سے ہو کر جناب غافل جہاں میں کیوں دل لگا رہے ہیں
سراب ہے یہ نہیں ہے پانی فریب کیوں آپ کھا رہے ہیں
غضب ہے واللہ یہ قیامت، ستم یہ کیا آپ ڈھا رہے ہیں
خدا کا ڈر کیا نہیں ہے باقی جو شمع ایماں بجھا رہے ہیں
میں ان پہ صدقے میں ان پہ قرباں مئے محبت پلا رہے ہیں
مئے محبت کے جو ہیں طالب مزے محبت کے پا رہے ہیں
کبھی محبت سے آ رہے ہیں کبھی محبت سے جا رہے ہیں
جو شان اپنی بڑھا رہے ہیں وہ شان اپنی گھٹا رہے ہیں
جو شان اپنی گھٹا رہے ہیں وہ شان اپنی بڑھا رہے ہیں

خودی تمہاری مٹا رہے ہیں تمہیں وہ اپنا بنا رہے ہیں
یہ راز تم پر عیاں نہیں کیا؟ وہ خاک میں کیوں ملا رہے ہیں
یہ ظلم ہر گز نہیں ہے حضرت! یہ ہے محبت یہ ہے محبت
وہ سونے والوں کو اس ادا سے جگا رہے ہیں
کہاں سے مقصود ہاتھ آئے جو راہ حق سے بھٹک گئے ہم
کہاں تھا افسوس ہم کو جانا، کہاں ہم افسوس جا رہے ہیں
خطا نہیں غیر کی ہر گز ، خطا ہے اپنی قصور اپنا
خود اپنے ہاتھوں سے اپنی عزت خاک میں ہم ملا رہے ہیں
خدا کے تم ہو خدا تمہارا ، خدا کو راضی کرو خدارا
خدا سے جن کو ہے کچھ محبت یہی صدا وہ لگا رہے ہیں

اہل اللہ کا یہی کام ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ فرمائیں اور جب اللہ کی مہربانی اور ان کی نظر کرم کسی پر ہو جاتی ہے تو اس راہ کے موانع دور ہو جاتے ہیں اور اسی دنیا میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا صحیح تعلق قائم کر لیتا ہے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے ؟

بھائی سنو! شریعت نے ہم کو اجازت دی ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کریں اور دنیا کے مشاغل تجارت، زراعت، ملازمت اختیار کریں اور جائز طریقے پر مال کو کمائیں اور خرچ کریں، لیکن زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا میں محض اسی لئے نہیں پیدا فرمایا ہے، بلکہ ہم کو اپنی

عبادت، بندگی اور اپنی معرفت حاصل کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "اَیْ لِيَعْرِفُوْنِ" یعنی ہم نے جن وانس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری معرفت حاصل کریں، پس انسان کو چاہئے کہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور اس کا حصول اسی وقت آسان ہوتا ہے جب کسی اللہ والے کی صحبت نصیب ہوتی ہے، آدمی جب اللہ والوں کی صحبت میں صدق و خلوص کے ساتھ بیٹھتا ہے تو تمام موانع دور ہو جاتے ہیں اور آدمی کو وصول حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ اسی نظم کا یہ شعر ہے۔

بچھے تھے کانٹے جو راہ میں وہ کرم سے اپنے ہٹا رہے ہیں
پہنچ ہی جائیں گے ان کے در پر کہ اب وہ خود ہی بلا رہے ہیں

دین پر چلنا آسان ہوجائے گا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بنانا چاہتے ہیں تو اسے کسی اللہ والے کے پاس جانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، خوش بخت ہیں وہ حضرات جن کو اہل اللہ کی صحبت نصیب ہے، انہیں اس کی قدر کرنی چاہئے، اس نعمت کا شکر بجالانا چاہئے، یہی حضرات طریق کے موانع سے باخبر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان سے تعلق رکھتے ہیں ان سے طریق کے موانع کو دور فرماتے رہتے ہیں، پس ہمیں چاہئے

کہ اعمال صالحہ کا اہتمام کریں اور ذکر اللہ کی کثرت کریں اور وقت نکال کر کبھی کبھی کسی اللہ والے کی صحبت میں بھی ضرور جایا کریں، انشاء اللہ اس کی برکت سے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا اور نیکیوں کی توفیق ہو گی۔

آج ہماری نگاہوں میں نیکیوں کی قدر و قیمت نہیں ہے لیکن قیامت کے دن کام آنے والی چیز یہی نیکیاں ہیں، وہاں پر دنیا اور دنیا کا ساز و سامان، محل و مکان کوئی چیز کام نہیں آوے گی اس لئے جس قدر ممکن ہو نیکیوں کو جمع کرنے کی فکر کریں، نیکیوں کو جمع کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے اس لئے کہ یہ دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔

اسلام کی ایک خصوصیت

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "الدنیا مزرعة الآخرة" یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو نیکی بوؤ گے اسی کا ثمرہ آخرت میں پاؤ گے اب دیکھئے! ایک معمولی سا عمل ہے سلام کرنا "السلام علیکم" کہنے پر بیس نیکیاں ملتی ہیں اور "ورحمة الله" پر دس نیکی مزید ملتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو آپس میں سلام کرتے تھے، اگر دیوار کی آڑ سے ہو کر واپس آتے تو دوبارہ پھر سلام کرتے تھے، اسی سلام کے ذریعہ سے نیکیوں کا کتنا ذخیرہ جمع کر لیتے تھے، اگر ہم لوگ سوچیں تو اسلام کے ہر عمل میں خوبی ہی خوبی نظر آوے، معنی کے اعتبار سے بھی السلام علیکم کیا خوب کلمہ ہے کہ "تم پر سلامتی ہو" ہر مذہب میں مختلف

کلمات سلام کے موقع پر کہے جاتے ہیں مگر کسی مذہب میں ایسا سلام نہیں جو سلامتی کی دعا پر مشتمل ہو، یہ اسلام کی خصوصیت ہے اور قرآن کی برکت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے طفیل میں ہم کو ایسا سلام ملا جو سلام بھی ہے اور اس میں دعا بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ یعنی اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو (یعنی جواب دو) یا (جواب میں) ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔

خدا کو راضی کرو خدارا

بھائی! اللہ تعالیٰ نے ہم کو قلب و دماغ دیا ہے اور عقل عطا فرمائی ہے تو اسی لئے کہ ہم سوچیں اور غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات و مصنوعات کو نظر عبرت سے دیکھیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، وہ آنکھ کس کام کی جس سے مصنوعات کو نظر عبرت سے نہ دیکھا جائے، وہ قلب و دماغ کس کام کا جس سے مصنوعات میں غور نہ کیا جائے، اور وہ عقل کس کام کی جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نہ حاصل کی جائے۔

اللہ والے اس دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں مشرکین کو آنکھ تھی اور وہ دیکھتے تھے مگر وہ دیکھنا کس کام کا جس نے ان کو اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ وہ سوچتے کہ ان مخلوقات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور ان مصنوعات کا کوئی بنانے والا ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾

﴿اَفَلاَ يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَى السَّمآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ یعنی کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کئے گئے، اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر قدرت الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تاکہ اس کا بعث یعنی قیامت پر قادر ہونا سمجھ لیتے اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے فرمائی کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے، اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ، اس لئے ان علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا، اور جب باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے) تو آپ بھی (ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلاَفِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ یعنی بلاشبہ

آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کیلئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ان سب کو لایعنی پیدا نہیں کیا، ہم آپ کو منزّہ (پاک) سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچالیجئے۔

حصولِ معرفتِ خداوندی کس طرح ؟

قرآن پاک کو تدبر کے ساتھ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہم کو حاصل ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ہی کے لئے قرآن نازل فرمایا ہے مگر اس کے لئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ایسے علماء جو متقی ہیں اور ان کے دل میں اللہ کا خوف ہے ان کی صحبت اختیار کی جائے ایسے علماء کی صحبت میں اگر بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت تمہارے دل میں ڈال دیں گے اور نیک اعمال کی توفیق ہو گی۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو اس لئے مبعوث فرمایا تاکہ مخلوق کو اللہ کی کتاب سمجھاویں اگر صرف کتاب نازل ہو جاتی اور انبیاء کرامؑ مبعوث نہ ہوتے تو کسی کو ہدایت نہ ہوتی اس لئے صرف کتاب کو کافی سمجھنا

سراسر غلطی اور زبردست گمراہی ہے، قرآن پاک حضور اقدس ﷺ پر نازل ہوا اور آپؐ نے اس کو سمجھا اور اس پر عمل کر کے دکھایا اور صحابہ کرامؓ نے آپ کو دیکھ کر دین سیکھا اور ان احوال و کیفیات کے حامل بنے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف منتقل فرمایا، اسی طرح صحابہ سے تابعین اور ان سے تبع تابعین نے دین کو سیکھا اور ہر زمانہ میں لوگوں نے علماء کاملین اور اولیاء کاملین سے دین کو سیکھا ہے اور یہی طریقہ قیامت تک جاری رہے گا، کسی وقت بھی ان حضرات سے استغناء نہیں ہو سکتا، اسی لئے کہتا ہوں کہ کچھ وقت نکال کر اہل اللہ کے پاس جاؤ، ان سے دین سیکھو، اسی سے راستہ کھلے گا اور اعمال صالحہ کی توفیق ہو گی۔

ایک قابل غور بات

اب ایک دوسری بات بیان کرنا چاہتا ہوں، ذرا غور سے سنیں! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین یا منافقین کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اگر وہی صفات ہمارے اندر پیدا ہو جائیں تو کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے؟ حق تعالیٰ مشرکین کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾ یعنی ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ (ہی میں رہنے) کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے (نام کو تو) دل ہیں مگر ایسے ہیں جن سے (حق

بات کو) نہیں سمجھتے (چونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے) اور جن کے نام کو تو آنکھیں ہیں مگر ایسی ہیں جن سے (نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو) نہیں دیکھتے، اور جن کے نام کو تو کان ہیں مگر ایسے ہیں جن سے متوجہ ہو کر حق بات کو نہیں سنتے غرض یہ لوگ آخرت کی طرف سے بے توجہ ہونے میں چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ ان چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں کیونکہ یہ لوگ باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے غافل ہیں۔

اب آپ بتلایئے کہ اگر ہم قلوب سے نہ سوچیں اور آنکھوں سے جو چیز دیکھنے کی ہے اسے نہ دیکھیں تو ہم اس آیت کا مصداق بن جائیں گے یا نہیں؟ خود فیصلہ کر لیجئے کہ ہم کس مقام پر ہیں، جو شخص قرآن پر اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے اسے سوچنا پڑے گا کہ قرآن ہم سے کیا کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں، دیکھو اللہ نے دل دیا ہے اور عقل و فہم عطا فرمائی ہے تو اسی لئے کہ ہم سوچیں کہ دنیا میں کس لئے آئے ہیں اور ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً﴾ یعنی جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے نفع کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

یہ آسمان و زمین، شجر و حجر، دریا و سمندر، دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا فرمائی ہیں اور بے شمار نعمتیں ہم کو عطا فرما رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو آنکھ دیا ہے جس سے ہم دیکھتے ہیں، کان دیا ہے جس سے ہم سنتے ہیں، زبان دیا ہے جس سے ہم بولتے ہیں، ہاتھ پاؤں دیا جس سے ہم چلتے پھرتے اور

اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، دماغ اور دل دیا جس سے ہم سوچتے ہیں، ان میں سے ہر ایک اتنی بڑی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنے سے ہم قاصر ہیں، ان نعمتوں کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب خدانخواستہ ان میں سے کوئی تلف ہو جائے، ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں، دماغ ماؤف ہو جائے تو کچھ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ نے جو ان سب نعمتوں کو محفوظ رکھا ہے یہ بھی ان کا بہت بڑا کرم ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے فائدے کے لئے طرح طرح کے میوے اور ہر موسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا فرمائے ہیں، یہ سب چیزیں حضرت انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ آخر انسان کو کس لئے پیدا فرمایا ہے؟ تو سن لیجئے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا فرمایا ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْس اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ﴾ یعنی ہم نے جن اور انس کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہماری عبادت کریں اور ہماری معرفت حاصل کریں۔

تعجب ہے کہ ہم کو عبرت نہیں ہوتی

پس ہم کو چاہئے کہ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں کہ ہم دنیا میں جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس کو کس قدر پورا کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ یہاں سے ہم کو جانا ہے اور اس زندگی کا جواب دینا ہے، ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اس دنیا کو چھوڑ کر جا رہے ہیں،

کتنے لوگوں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیا مگر تعجب ہے کہ ہم کو عبرت نہیں ہوتی اور یہ نہیں سوچتے کہ ہم پر بھی وہی وقت آنے والا ہے، بھائی! عقل کا تقاضا یہ تھا کہ سب کاموں سے الگ ہو کر تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ سوچیں کہ جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کو ہم پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ جس خالق و مالک نے ہم کو بیشمار نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں اسی کی ہم نافرمانی کریں؟

اور یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ بھوک لگی کھانا کھالیا، نیند آئی سو رہے اور خواہشاتِ نفسانی کا جو تقاضا ہوا اسے پورا کر لیا؟ اگر اسی کو ہم نے زندگی کا مقصود اور حاصل سمجھا تو ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہا؟ اور اگر ہم نے مال و دولت جمع کر لیا، دنیاوی ساز و سامان اکٹھا کر لیا، بہت سے محل و مکان بنالئے جب بھی زندگی کا مقصد نہیں پورا ہوا، ایسی زندگی تو کافر کی زندگی ہوتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلاً اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ یعنی تھوڑے دن کھالو اور نفع اٹھالو یقیناً تم لوگ مجرم ہو۔

عادت کو عبادت کس طرح بنائیں؟

مومن کے کھانے اور کافر کے کھانے میں بہت فرق ہے، مومن اس لئے کھاتا ہے کہ طاعت و عبادت پر قوت حاصل کرے اگر ہم اس نیت سے کھائیں اور سنت کے مطابق کھانا کھائیں تو کھانے پر بھی ثواب ملے گا، تمام عادات میں اگر سنت کا لحاظ کیا جائے تو عادات بھی عبادات بن جائیں گی۔

شریعت مطہرہ کا کمال

مثلاً جب استنجاء کرنا ہو تو پہلے دعا پڑھیں "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ" اور بیت الخلاء میں بائیں پاؤں سے داخل ہوں اور واپسی میں پہلے داہنا پاؤں باہر نکالیں اور دعا پڑھیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَبْقٰی عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ" تو جتنا وقت استنجاء میں صرف ہوا وہ سب عبادت میں شمار ہوگا، یہ بھی ہماری شریعت کا کمال ہے کہ اس میں ہر چیز کی تعلیم موجود ہے حتیٰ کہ استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا گیا ہے۔

ایک صحابیؓ سے کسی یہودی نے ازراہ تمسخر کہا تھا کہ تمہارے نبی تو ایسے ہیں جو استنجاء کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں، تو ان صحابی نے جواب میں فرمایا کہ بیشک ہمارے نبی ایسے ہیں جو ہر چیز کا طریقہ بتلاتے ہیں اور استنجاء کرنے کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے استنجاء کرو اور پاک مٹی و پتھر سے استنجاء کرو، لید، گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو، اگر آپ اس کی تعلیم نہ فرماتے تو ہم کو استنجاء کرنا بھی نہ آتا۔

اگر انسان کو اپنی معرفت ہو تو ....

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کے انعامات میں غور کرو اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی قدر کرو، اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور نہایت سہل اور آسان شریعت آپ کو عطا فرمائی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ شب معراج میں پچاس وقت کی نمازیں اور ایک سال کا روزہ فرض ہوا تھا، لیکن اللہ

کے رسول ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے سے تخفیف کی درخواست کی تو پانچ وقت کی نماز اور ایک ماہ کا روزہ باقی رکھا گیا، مگر اجر وثواب کے اعتبار سے پچاس ہی وقت کی نماز رہی، یہ کتنا بڑا انعام ہے، اسی طرح زکوٰۃ میں محض چالیسواں حصہ فرض کیا گیا، ان سب چیزوں میں غور کرنا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ کی عنایت ورحمت کی معرفت ہوگی، اگر آدمی ان امور میں غور کرتا رہے تو اس کے نفس میں کبھی بڑائی اور غرور وپندار نہ پیدا ہو، اگر انسان کو اپنی معرفت ہو تو کبھی تکبر وغرور نہ کرے اور عُجب وخود پسندی میں نہ مبتلا ہو۔

اللہ والوں کی زبان میں تاثیر ہوتی ہے

ایک بزرگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد معتقدین جمع تھے کہ اسی اثناء میں ایک آدمی ان کے سامنے سے اکڑتا ہوا گذرا، تو چونکہ تکبر کی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحاً﴾ یعنی زمین پر اکڑ کر مت چلو، اس لئے ان بزرگ نے اس نوجوان سے فرمایا ارے میاں یہ چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، تو اس نے کہا آپ جانتے ہیں میں کون ہوں، میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اور میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں یعنی اپنی تعریف کرنے لگا اور بڑائی بیان کرنے لگا، اس کا جواب سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ تم نے اپنے کو نہیں پہچانا، آؤ! میں بتاؤں کہ تم کیا ہو؟ تمہاری ابتدا ایک قطرۂ ناپاک ہے اور انتہا لاشۂ مردار ہے، جو خاک میں مل کر فنا ہو جائے گا، یہ تو تمہاری ابتدا اور انتہا ہے اور اس وقت بھی تمہارے پیٹ

میں پاخانہ بھرا ہوا ہے جس کو لئے پھر رہے ہو، یہ تمہاری حقیقت ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔

ان بزرگ کی اس بات کا اس پر بہت اثر ہوا اور نادم و شرمندہ ہوا، پھر عرض کیا کہ حضرت! بات سمجھ میں آگئی اور میں اپنے کو پہچان گیا، اب توبہ کرتا ہوں چنانچہ ان کے ہاتھ پر تائب ہو گیا اور اللہ کا ولی ہوا۔

اللہ والوں کی زبان میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ ان کی بات دل میں اتر جاتی ہے، یہ حضرات بندوں پر بہت شفیق ہوتے ہیں ان کی مثال اس شفیق طبیب جیسی ہے جو مریض کے لئے دوا علاج کرتا ہے، تدبیریں بتلاتا ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے، اسی طرح جو روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ والوں کو ان پر شفقت ہوتی ہے، ان کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی ہوتی ہے وہ پوری کوشش کرتے ہیں کہ اس کو شفا ہو جائے، انبیاء علیہم السلام کا یہی طریق ہے، ان کے سچے نائبین اسی طریق کو اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔

غفلت دور کرنے کا علاج

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو مناجات کی لذت و حلاوت اس سے چھین لی جاتی ہے، پس دعا جو مغز عبادت ہے جب اس کی لذت چھین لی جاتی ہے تو پھر عبادت میں بھی لذت باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے معصیت سے جہاں تک ہو سکے اجتناب کریں اور غفلت کے ساتھ زندگی

نہ گذاریں، اللہ کو یاد کریں، توبہ واستغفار کرتے رہیں، موت کو یاد رکھیں اس سے غفلت دور ہو گی۔

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو۔

لہٰذا اللہ ورسول کے حکموں کے مطابق زندگی گذاریں جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ کتابوں کو دیکھ کر عمل کریں اور جو علم نہیں رکھتے وہ علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ یعنی ہم نے تم کو اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ زندہ کریں گے، ان آیات میں غور کریں تو ہماری غفلت دور ہو گی، اب مضمون ختم کرتا ہوں، دعا کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

ہمارے اکابر لکھتے ہیں کہ اعمال کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ وہ اللہ ہی کے لئے ہو، مومن کو ہر وقت یہ فکر رہنی چاہئے کہ ہمارا جو قدم اٹھے وہ شریعت و سنت کے مطابق اور اللہ ورسول کی مرضی کے موافق اٹھے، اتباع سنت پر ابھارنے کے لئے جس طرح اللہ ورسول کی محبت ضروری ہے اسی طرح خوف بھی ضروری ہے۔

عارف باللہ حضرت پرتاپگڈھیؒ

قرب خداوندی کا ذریعہ

اقتباس

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یارب! جن چیزوں سے مقربینِ آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اے احمد! وہ میرا کلام ہے، میں نے دریافت کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ فرمایا سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ لاَيَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ،اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو ، اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے ؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے پروائی کی، سو اللہ

تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں بلکہ جو اہل جنت ہیں وہ لوگ کامیاب لوگ ہیں (اہل نار ناکام ہیں)

آج نیکی بہت سستی ہوگئی ہے

میرے دوستو! اور بزرگو! قرآن مجید اور فرقان حمید کی یہ ایک آیت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں جس کا حاصل اعمال صالحہ کو اختیار کرنا اور سیئات ومعاصی سے پرہیز کرنا ہے، ہمارے مدارس میں قرآن مجید ہی کی تعلیم ہوتی ہے اور یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس مقدس اور مبارک کتاب کو پڑھنے کی توفیق ہو، یہ تو وہ کلام ہے کہ محض الفاظ کی تلاوت بھی موجبِ اجر وثواب ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی اس قدر قیمتی ہے کہ اگر قیامت کے دن کوئی شخص چاہے گا کہ زمین وآسمان کے برابر سونا خرچ کرکے ایک نیکی حاصل کرلے تو یہ ممکن نہ ہوگا، آج نیکی بہت سستی ہوگئی ہے اس لئے کہ اس کی قدر وقیمت کا ہم کو اندازہ نہیں، میرے عزیزو! اس کی قدر وقیمت آخرت میں معلوم ہوگی، وہاں کوئی چیز کام نہ آوے گی وہاں کام آنے والی چیز یہی طاعات اور نیکیاں ہیں۔

پڑھنے پڑھانے کا مقصد

میرے مخاطب اس وقت چونکہ طلباء ہیں اس لئے کہتا ہوں کہ عموماً ہمارا

حال یہ ہو رہا ہے قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کا جو اصل مقصد ہے وہ ہمارے سامنے باقی نہیں ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، پڑھنے پڑھانے سے اصل مقصد صرف اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی ہے، قرآن پاک کو محض اسی غرض سے پڑھنا پڑھانا چاہیئے۔

بغداد کی مشہور درسگاہ جو مدرسہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، جب یہ قائم ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد ایک روز خلیفہ وقت جس نے مدرسہ قائم کیا تھا طلباء کا امتحان لینے کی غرض سے آیا اور آکر ان سے سوالات کئے کہ علم حاصل کرنے سے تمہاری غرض کیا ہے؟ ہر ایک نے جواب میں اپنی اپنی نیت کو ظاہر کیا، چنانچہ کسی نے کہا کہ ہم علم اس لئے حاصل کر رہے ہیں کہ ہم کو منصب قضاء مل جائے، کسی نے کہا کہ ہم منصبِ احتساب کے حصول کے لئے پڑھ رہے ہیں، اور کسی نے کہا کہ ہم فلاں غرض کے لئے علم حاصل کر رہے ہیں، غرض ہر ایک نے اپنی غرض دنیوی کا اظہار کیا مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم علم اللہ و رسول کی رضا کے لئے حاصل کر رہے ہیں۔

انہی طلباء میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جو ایک گوشہ میں کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھے، خلیفہ نے ان سے بھی جا کر پوچھا کہ میاں صاحب زادے! آپ کس لئے پڑھ رہے ہیں، اور تحصیل علم سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کر لیا ہے کہ ہمارا خالق و مالک اللہ ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا ہے وہ حاکم اور ہم محکوم ہیں، لہٰذا ہم اس لئے پڑھ رہے ہیں

کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں اور کس چیز سے ناراض، تاکہ اس کی مرضیات پر ہم چلیں اور ناراضگی کی چیزوں سے بچیں۔

خلیفہ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ دوسرے طلباء کے جوابات سن کر میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ آج سے مدرسہ بند کر دوں گا، اس لئے کہ کوئی بھی اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا نہیں ہے، سب لوگ دنیا کے لئے پڑھ رہے ہیں مگر اب تمہارے جواب سے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے، اور اب صرف تمہاری وجہ سے مدرسہ باقی رکھوں گا کہ ایک آدمی تو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا موجود ہے۔

نیت درست کرنے کی ضرورت ہے

بھائی! طلباء واساتذہ سبھی کو اپنی نیت درست کرنے کی ضرورت ہے، پڑھنے پڑھانے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہئے اور سب کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھ کر پڑھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں صرف کریں اور شریعت وسنت کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لیں، اور صحیح معنوں میں فرمانبردار مسلمان بن جائیں۔

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

مسلمان اسی کو کہتے ہیں کہ جو اللہ ورسول کے حکموں کے سامنے گردن جھکا دینے والا ہو، اور چون وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور اللہ کی مرضی میں فنا

ہو جانے والا، اپنی رائے اور اپنی پسند کو چھوڑ دینے والا ہو، مسلمان کا تو بس یہ کام ہے کہ اللہ و رسول کی مرضی میں فنا ہو جائے مگر آج کل ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے دلوں میں آخرت کا یقین کمزور ہو گیا ہے اور یہ مرض عام ہو رہا ہے، لہٰذا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ قیامت کا ہم کو یقین کامل ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسی پر ایمان کا مدار ہے، آخرت پر یقین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف بار بار متوجہ فرمایا ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تم میں کا ہر نفس دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی کیفیت

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی کیا کیفیت تھی؟ نہ سنا ہو تو سنئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکعت نماز کی ادائیگی میں صبح ہو جایا کرتی تھی اور پائے مبارک ورم کر آیا کرتے تھے، اور جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمائش کی کہ اے ابن مسعود! مجھے قرآن سناؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرآن پاک تو آپ پر نازل ہوا، اور میں آپ کو سناؤں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! (اس لئے کہ دوسرے کی زبانی سننے سے بعض دفعہ زیادہ

لطف حاصل ہوتا ہے) الغرض آپ کی فرمائش پر عبداللہ ابن مسعودؓ نے سورۂ نساء سے چند آیات کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْداً﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر ہر امت میں سے ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے) گواہی دینے کے لئے حاضر لادیں گے، عبداللہ ابن مسعودؓ جب اس آیت پر پہنچے تو حضور ﷺ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی، جس کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تلاوت میں انہماک کے سبب نہیں دیکھ رہے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کیفیت کو دیکھا تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ ذرا حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف تو دیکھو کہ کیا کیفیت ہے، چنانچہ آپ کا یہ حال دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے تلاوت موقوف فرمادی۔

صحابۂ کرامؓ کا قرآن کریم سے شغف

اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے حالات میں بھی غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک سے ان کو انتہائی عشق تھا اور وہ حضرات اس کے ساتھ بے حد شغف رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو انہوں نے پوچھا کہ اس وقت کون سا عمل سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے؟ تو صحابۂ کرامؓ نے کہا اس وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ

عمل حرم شریف میں جاکر قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہے، چنانچہ وہ حرم شریف تشریف لے گئے اور سورۂ ق جو ان کو یاد ہو چکی تھی اس کی تلاوت شروع کی، تلاوت کا شروع کرنا تھا کہ مشرکین مکہ نے ہر طرف سے زدوکوب شروع کیا، حتیٰ کہ آپ کا سارا جسم لہولہان ہو گیا، مگر جب تک پوری سورت ختم نہ کرلی قرآن کی تلاوت موقوف نہیں فرمایا۔

صفت سے محبت کب ہوگی؟

سبحان اللہ! قربان جایئے، کیا ٹھکانہ ہے کہ مسلسل زدوکوب ہو رہی ہے، لہو لہان ہو رہے ہیں مگر اس کا کوئی اثر ان کی تلاوت پر نہیں پڑ رہا ہے آخر قرآن کے ساتھ ان کو کیسا عشق تھا، اور تلاوت میں ان کو کس قدر مزہ ملتا تھا، اس کا اندازہ انہی حضرات کو تھا، ہم کو تو اس کا سمجھنا بھی مشکل نظر آتا ہے، بات یہ ہے کہ ان کو قرآن کے ساتھ عشق تھا اور یہ حقیقت ہے کہ محبّ کو اپنے محبوب کے کلام کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نہیں ہوتا اس لئے کہ کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے تو جب کسی کی ذات سے محبت ہوگی تو اس کی صفت سے بھی محبت لازمی ہے اس لئے اس کو اپنے محبوب کے کلام میں ایسی لذت وحلاوت ملتی ہے جو بیان سے خارج ہے۔

عشاق ومحبین کے لئے سامان تسلی

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، عشاق کے لئے اس دار دنیا میں تسلی کا یہی ذریعہ ہے، محبین اپنے محبوب حقیقی سے ان کے کلام کی تلاوت کر کے تسلی

حاصل کرتے ہیں اور اس سے ان کو ایسی لذت و حلاوت ملتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا، یوں سمجھئے کہ جس طرح میٹھی چیز کھانے سے لذت و حلاوت ملتی ہے اسی طرح اہل اللہ کو ذکر و تلاوت سے لذت و حلاوت ملتی ہے اور اس سے ان کی روح مخمور و سرشار ہو جاتی ہے۔

صحابۂ کرام کی تلاوت کا ذکر قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ صحابۂ کرامؓ کے تلاوت کی مدح اس آیت میں فرماتے ہیں ﴿لَيْسُوْا سواءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ (اس آیت سے پہلے اہل کتاب کی مذمت فرمانے کے بعد پھر ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کی مدح میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) یہ اہل کتاب سب برابر نہیں بلکہ انہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے اور اللہ کی آیتیں (یعنی قرآن پاک) اوقات شب میں پڑھتی ہے اور وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

قرب خداوندی کا ایک آسان طریقہ

دیکھئے! اس میں اللہ تعالیٰ راتوں میں ان کی تلاوت کی مدح فرما رہے ہیں اور رات کی تخصیص اس لئے فرمائی گئی کہ عموماً رات ہی کو محبوب کی یاد سے آدمی مضطرب و بیتاب ہوتا ہے، تو اس وقت اسی کے کلام سے تسلی حاصل کرتا ہے، پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے لئے رات کا یہی عمل ہے کہ وہ راتوں کو کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس سے تسکین و تسلی حاصل کرتے ہیں

اور اس میں ان کو ایسا مزہ ملتا ہے جو کسی چیز میں نہیں اور یہ لذت و حلاوت معنی کے سمجھنے پر موقوف نہیں، اسی طرح تلاوت کا موعود اجر و ثواب بھی فہم قرآن پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت بلا فہم سے بھی اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یارب! جن چیزوں سے مقربین آپ کا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اے احمد! وہ میرا کلام ہے، میں نے دریافت کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے؟ فرمایا سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔

صفائی قلب کا ایک نبوی نسخہ

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے خواہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس کی صفائی کا کیا ذریعہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ تلاوت کلام اللہ سے قلب کا زنگ دور ہوتا ہے، میرے عزیزو! گناہوں کی کثرت سے قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے اور تلاوت کی کثرت سے اس کو دور کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس گنہ کر کے دیا جاتا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے، تو الٓمٓ کی تلاوت پر گویا تیس نیکیاں ملتی ہیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے الٓمٓ حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنی کوئی بھی نہیں سمجھتا، پھر بھی ثواب ملتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ قرب وثواب کا حصول معنی سمجھنے پر موقوف نہیں، آج بھی قرآن پاک کی تلاوت موجب قرب ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ عظمت قرآن کے ساتھ اور توجہِ قلب کے ساتھ ہو کہ یہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب قرآن پاک کھولتے تھے تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ "هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّیْ" یہ میرے پروردگار کا کلام ہے، یہ میرے پروردگار کا کلام ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب اس ڈھنگ سے تلاوت کرتے تھے تب کہیں جا کر ان کو اس کی حلاوت اور لذت محسوس ہوتی تھی اور ان کے چہروں سے اس کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔

اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ....

علامہ شعرانیؒ "تنبیہ المغترین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر اس کے چہرے میں محسوس کرتے تھے اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ رات میں اگر کوئی پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرے پر اسکا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، اور اس کا قرآن پڑھ لینا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چادر اٹھالینا۔

ہمیں تلاوت میں مزہ کیوں نہیں آتا؟

دیکھئے حسن بصریؒ اپنے اسلاف کی تلاوت کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان کی تلاوت کا اثر چہروں سے نمایاں ہوتا تھا اب ہم اپنے حال میں خود غور کرلیں کہ اپنے اسلاف کی سیرت سے کتنا دور ہو چکے ہیں اور ہم کو جو تلاوت میں لطف اور مزہ نہیں آتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے قلوب سیاہ ہو چکے ہیں، گناہوں کا زنگ ہمارے قلوب پر لگ گیا ہے جس کی وجہ سے ہم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی چیز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو وہ نقطہ مٹادیا جاتا ہے ورنہ بڑھتا رہتا ہے، پھر اگر دوسرا گناہ کرلیتا ہے تو دوسرا نقطہ لگادیا جاتا ہے، غرض ہر گناہ پر نقطوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے پھر اس پر قفل لگ جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ

میرے عزیزو! اللہ کی نافرمانی وہ چیز ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور

کر دیتی ہے، بلاشبہ قرآن پاک میں ایسی لذت و حلاوت ہے جس کی کوئی حد نہیں مگر جب انسان گناہ اور نافرمانی کرتا ہے تو اس کو لذت اور حلاوت حاصل نہیں ہوتی اس لئے گناہوں کو چھوڑ دیں، اللہ کی نافرمانی کو ترک کریں پھر طاعات میں خود لذت و حلاوت محسوس کریں گے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اذان دی تو اس کو سن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بات سچی ہے اور یہ کلمہ حق ہے مگر کہنے والا سچا نہیں اس لئے کہ زبان سے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر دل میں ہزاروں معبود بھرے ہیں اور غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتا ہے تو پھر اس قول میں کہاں سچا رہا۔

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نفی واثبات ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی ذات بندگی کے لائق نہیں اور اللہ ہی کی شان یہ ہے کہ اس کے حکم کے سامنے ہم سر جھکا دیں، اس کی نافرمانی نہ کریں اسی طرح جب مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں اور آپ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ آپ کے حکموں پر چلیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔

آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مرتبہ کتنا بلند ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ یعنی رسول تم کو جس چیز کا حکم دیں اس کو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔

مومن کا اصل وظیفہ

پس ہر امر میں آپ کا اتباع لازم وضروری ہے، لہٰذا اتباع سنت کو لازم پکڑیں استغفار کی کثرت کریں اور تلاوت کی پابندی کریں۔

آج امت تلاوت سے بہت غافل ہے، بھائی تھوڑا ہی سہی قرآن پاک کی تلاوت کا معمول بنائیں اور قرآن پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں، اسی سے اللہ راضی ہوگا، اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ ہم اللہ کو راضی کرلیں، وہ بندہ سب سے زیادہ کامیاب ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے اور قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیشی سے ڈرے، اور ڈر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ورسول کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے بلکہ ہر قدم شریعت کے مطابق اٹھائے، عقائد میں، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت واخلاق میں، صورت وسیرت میں، لباس وپوشاک میں، رہن سہن میں، شادی غمی میں، غرض زندگی کے ہر باب میں ہم اتباع کریں جناب رسول اللہ ﷺ کا، یہ ہے مومن کا اصل وظیفہ۔

آج ہم کو ہر طرف سے شدائد ومصائب گھیرے ہوئے ہیں وہ محض اسی بنا پر ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، اللہ کا خوف ہمارے دلوں میں نہیں رہا، قیامت کا یقین ہمارے دلوں میں باقی نہیں رہا، اللہ کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کا استحضار نہیں رہا، اسی جانب متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ یعنی ہر انسان دیکھ بھال لے کہ اس نے کل قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

انسان نے دنیا میں عیش و عشرت کے بہت سامان جمع کر لئے، محل و مکان بنایا، بڑی بڑی کوٹھیاں تیار کر لیں، مال و دولت جمع کر لیا، لیکن اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں کی تو اس زندگی کا مقصد اس نے نہیں سمجھا، جس نے اپنی زندگی کا مقصود صرف انہی چیزوں کو بنایا اس نے اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی نہ سمجھا۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ" یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے، پس ہمیں یہیں سے آخرت کا توشہ تیار کرنا ہے، عمل کی جگہ یہی ہے، دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے، اگر یہاں عمل کروگے تو آخرت میں جزاء کے مستحق ہوگے۔

سب کچھ کرو لیکن .....

میرے عزیزو! میں اس دنیا کے حاصل کرنے سے منع نہیں کرتا، سب کچھ کرو لیکن یہ بھی تو سوچو کہ آخرت کے لئے کیا توشہ جمع کیا ہے، اور وہاں کی راحت کے لئے کیا سامان اکٹھا کیا ہے؟ وہاں کام آنے والی چیز اللہ کی توحید، نماز کی پابندی، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، قرآن پاک کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا، اللہ و رسول کی نافرمانی چھوڑ دینا، یہی سب چیزیں آخرت میں کام آنے والی ہیں، اور اس دار دنیا میں بھی یہی مومن کے اصلی کام ہیں۔

اُمم سابقہ پر جو مختلف قسم کا عذاب آیا، لوگ تباہ و برباد اور ہلاک کئے گئے

وہ اسی نافرمانی کی وجہ سے، قرآن پاک میں حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَكُلاًّ اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِباً وَّ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا، ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کی بارش کی، اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آپکڑا، اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسادیا، اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے غرق کردیا، اور خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے (سورۂ عنکبوت)

خوفِ آخرت اور گناہوں سے نفرت کیوں کر؟

دیکھئے! یہ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے کہ آگ برسادی گئی خاکستر ہوگئے، پانی کا عذاب آیا غرق کردیئے گئے، صورتیں بدل دی گئیں، سوّر اور بندر بنادیئے گئے، اللہ کی نافرمانی ایسی ہی چیز ہے، جب آدمی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے گا اور اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے گا اور اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کے قلب میں نور پیدا ہوگا، قیامت کا یقین پیدا ہوگا، جنت و دوزخ کا یقین پیدا ہوگا اور آخرت کا خوف پیدا ہوگا، خوفِ آخرت ہی انسان کو عمل پر ابھارتا اور گناہوں سے باز رکھتا ہے، افسوس کہ ہمارے دلوں سے خوفِ آخرت نکل گیا۔

حضرت داود طائی ایک بزرگ ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب

رات بستر پر لیٹتے تھے تو رات بھر ان کو نیند نہیں آتی تھی، تڑپ تڑپ کر اٹھتے تھے جہنم کی یاد ان کو سونے نہیں دیتی تھی۔

اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں....

اللہ والوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ راتوں کو عبادت کرتے ہیں اور پھر صبح کو اللہ کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی شان کے مطابق ہم سے عبادت نہ ہوسکی، ذرا ہم بھی اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں، کیا ہمارے اندر وہ خوف ہے جو ہمارے اکابر کے اندر تھا؟

قرآن پاک میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ معروف پر عمل کریں اور دوسرے یہ کہ منکرات سے باز رہیں، اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دیں، جو شخص خود معروف پر عمل نہیں کرے گا اور منکرات سے نہیں بچے گا اس کی دعوت میں ہرگز اثر نہیں ہوگا، اس لئے ہمیں چاہئے کہ پہلے خود معروف پر عمل کریں اور منکرات سے پرہیز کریں، جو اعمال اللہ و رسول کو راضی کرنے والے ہیں وہ معروف ہیں اور جن اعمال سے اللہ و رسول ناراض ہوتے ہیں وہ سب منکرات میں شامل ہیں۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ یعنی اے امت محمدیہ! تم لوگ سب اہل مذاہب سے اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور

بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو۔

جس طرح حضور اقدس ﷺ تمام انبیاء کرام کے امام ہیں اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں کی امام ہے، مگر اس کی شرط کو پورا کرنا بھی ہمارے ذمہ لازم ہے اگر ہم اس کو پورا نہ کریں گے تو عند اللہ ہم سے باز پرس ہو گی۔

حضرت فاروق اعظمؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہتے ہو اور خیر الامم بننا چاہتے ہو تو اس کی شرط کو پورا کرو، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرو، اور یہ کام جب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ پر کامل ایمان ہو، مخلوق کی پرواہ دل سے نکال چکا ہو، بلا خوف لومۃ لائم اللہ کی طرف دعوت وہی دے سکتا ہے جس کا ایمان کامل ہو، مخلوق پر اس کی مطلق نظر نہ ہو، ان کے رد و قبول اور مدح و ذم کو دل سے نکال چکا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مخلوق سے کسی اجر کے طالب نہیں ہوتے بلکہ ان کی نظر اللہ ہی پر ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی قوم سے ببانگ دہل یہ کہا ہے ﴿مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو محض اللہ کے ذمہ ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

بھائی! ہم لوگ کسی وقت بیٹھ کر سوچیں کہ ہماری زندگی کا کیا حال ہے، کتنی عمر ہو گئی اس میں ہم نے کس قدر نیکیاں جمع کیں اور کتنے گناہ کئے؟ اگر

روزانہ کسی وقت بیٹھ کر یہ سوچا کریں تو ہماری غفلت دور ہو اور آخرت کی تیاری میں لگ جائیں، بھائی! قیامت کے دن کے لئے سامان کرو اور مقصود اصلی آخرت بناؤ اور مومن کو ہر وقت اس کا استحضار رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے حال سے باخبر ہیں، کوئی چیز ان پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، حتیٰ کہ ان کو دل کے خطرات کا بھی علم ہے۔

اب ایک واقعہ بیان کر کے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔

مقام حضور و مقام احسان کی دلنشیں تشریح

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں بہت سے طالبین رہتے تھے پہلے کا دور ایسا ہی تھا کہ لوگوں کو خود اپنی اصلاح کی فکر ہوتی تھی، اور اس کے لئے مشائخ کی خدمت میں جا کر رہتے تھے، اور آج یہ حال ہے کہ جسمانی امراض کی تو بڑی فکر ہے، کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو فوراً ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے نسخہ کے مطابق دوا علاج اور پرہیز کرتا ہے، اور اگر ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ہسپتال میں داخل ہو جاتے ہیں، اور صحت جسمانی کے لئے ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں مگر باطنی امراض کی طرف سے غافل ہیں حالانکہ جس طرح ظاہری امراض جسم کے لئے مضر ہیں اسی طرح باطنی امراض روح کے لئے مہلک اور سمّ قاتل ہیں، امراض نفسانی کی وجہ سے کتنے اعمال صالحہ ضائع اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

جس طرح امراض جسمانی کا شفاخانہ ہسپتال ہے اسی طرح امراض روحانی کا شفاخانہ اہل اللہ کے دروازے ہیں اور امراض باطنی سے شفا پانے کے لئے شیخ کامل سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، اور جو لوگ طالب صادق ہوتے ہیں وہ ان کے در پر جا کر پڑ جاتے ہیں تاکہ ہم کو قلبی امراض سے شفا ہو جائے، بھائی! ہمارے دل بیمار ہیں اور ہمارا دل صحیح معنوں میں دل نہیں ہے لہٰذا دل کو دل بنانے کی ضرورت ہے، اور دل ہی کی سلامتی سے فلاح آخرت وابستہ ہے، قیامت کے دن وہی شخص کامیاب ہوگا جس کا دل رذائل سے پاک ہوگا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿یَوْمَ لاَ یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لاَ بَنُوْنٌ اِلاَّ مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ہاں مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔

حضرت شیخ الہندؒ قلب سلیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایسا دل جو بے روگ ہو یعنی جس دل میں بیماری نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ دل میں بھی روگ ہوتا ہے اور اس کو دور کرنے کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ جن امراض کا علاج جو شخص جاننے والا ہوگا وہی کرسکتا ہے اور اس کیلئے اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا، ایسے حضرات کی نشاندہی بھی قرآن پاک میں کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے امر کے ساتھ متقیوں اور سچوں کی صحبت میں رہنے کا بھی امر فرمایا تاکہ ان سے تقویٰ حاصل ہو چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے

ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

آمدم برسر مطلب

یہ بات درمیان میں آگئی تھی، میں شیخ سہروردیؒ کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ حضرتؒ کی خانقاہ میں بہت سے طالبین ٹھہرے ہوئے تھے جو ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے، ایک نوجوان بھی حضرت کی خدمت میں آیا اور حضرتؒ سے تعلق قائم کیا، آپ نے جو ذکر اس کو بتلایا اس میں مشغول رہا اور خلوت میں وہ اللہ اللہ کرتا رہا، اٹھارہ دن کے بعد اس کو بلا کر حضرت نے فرمایا کہ ہم تم کو اجازت دیتے ہیں، اب جاؤ لوگوں کو دین کی باتیں بتاؤ، گویا اٹھارہ دن میں اس کو خلافت سے مشرف فرمایا، اب جو لوگ پہلے سے وہاں مقیم تھے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہم لوگ برسہا برس سے یہاں پڑے ہوئے ہیں اور کامیاب نہیں ہوئے اور یہ نوجوان صرف اٹھارہ دن رہا اس کو خلافت مل گئی، حضرت کو ان کا خطرہ منکشف ہو گیا، تو حضرت نے ان سب لوگوں کو مع اس نوجوان کے بلایا اور سب کو ایک ایک مرغ اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو، چنانچہ سب لوگ مختلف تنہائی کی جگہوں میں لے جا کر ذبح کر کے لائے اور وہ نوجوان بہت دیر کے بعد زندہ مرغ اور چھری لے کر واپس آگیا، لوگ اس کو دیکھ کر ہنسے کہ دیکھو تو سہی یہ کیسا آدمی ہے جس کو کوئی تنہائی کی جگہ ہی نہیں ملی، پھر حضرت نے سب سے دریافت فرمایا کہ تم نے کہاں ذبح کیا؟ سب نے بتادیا، آخر میں اس نوجوان سے

پوچھا کہ تم نے مرغ کیوں نہیں ذبح کیا؟ تو اس نے عرض کیا کہ حضور! آپ کا یہ حکم تھا کہ ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو تو مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اس لئے کہ جہاں بھی لے گیا اس جگہ یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں اس وجہ سے میں اس کو ذبح نہ کر سکا۔

سبحان اللہ! دیکھئے اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا کس قدر استحضار تھا یوں تو اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہر مسلمان رکھتا ہے لیکن ہمہ وقت اس کو مستحضر رکھنا یہ مقام کسی کسی کو حاصل ہوتا ہے یہی مقام حضور ہے جو اس نوجوان کو حاصل تھا اور اسی کو مقام احسان کہتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ "ان تعبد الله كانّك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو یہ استحضار کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہے ہیں۔

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں

اہل اللہ کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معیت کا ہر وقت استحضار رکھتے ہیں جس سے ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی عبادات میں لذت پاتے ہیں اور یہی چیز ان کو معصیت و نافرمانی سے محفوظ رکھتی ہے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے، سنئے ؎

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

اللہ تعالیٰ کی معیت کا استحضار بہت بڑی نعمت ہے، جو اللہ والوں کو حاصل ہوتی ہے اور اس میں وہ ہر وقت سرشار رہتے ہیں اور جو لوگ ان کے قریب ہوتے ہیں ان کو بھی اس سے ضرور کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے، اس وقت مجھے اپنی غزل کے دو شعر یاد پڑے اس کو پڑھتا ہوں۔

جو ہیں اہل محبت دوستو! پھر ان کا کیا کہنا
محبت کے لئے پھرتے ہیں انگارے محبت میں
یہ ناممکن ہے آئے پاس اور پھر ترنہ ہو جائے
محبت کے اڑا کرتے ہیں فوارے محبت میں

میرے محترم بھائیو! یہ زندگی بھی اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے جس کو یہ زندگی مل گئی وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے، آخرت کی تیاری اسی زندگی میں کی جاتی ہے اور اللہ والے زندگی کے طول کو اسی لئے چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی کا ذریعہ ہے یوں بعضے بزرگوں نے غلبۂ شوق میں اور محبوب حقیقی سے وصال کی تڑپ میں موت کی تمنا بھی کی ہے اور ایسی موت کی تمنا منع بھی نہیں ہے بلکہ موت کی وہ تمنا منع ہے جو مصائب و آلام کی وجہ سے ہو مگر اعلیٰ وارفع مقام یہ ہے کہ اللہ کے قرب میں ترقی کے لئے زندگی کو غنیمت شمار کرے مرنے کے بعد ایک مرتبہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنے سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ بھی میسر نہیں ہوگا، اسی بناء پر بہت سے بزرگان دین نے آخر عمر میں زیادتیٔ عمر کی تمنا کی ہے، چنانچہ علامہ جامی فرماتے ہیں۔

بادو روزہ زندگی جامی نشد سیر غمت
واہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی داشتیم

یعنی دو روز کی زندگی میں جامی آپ کے غم محبت سے سیر نہیں ہوا، کیا خوب ہوتا اگر مجھ کو عمر جاودانی حاصل ہو جاتی۔

بھائی! ہم کو یہ زندگی اسی لئے دی گئی ہے کہ اس میں ہم قیامت کے دن کے لئے توشہ جمع کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں اور اعمال صالحہ وہی ہیں جو سنت کے مطابق ہوں اور اللہ کے لئے کئے جاویں۔

تم ھی غالب رھو گے بشرطیکہ .....

آج اگر امت میں یہ چیز عام ہو جائے کہ نافرمانی چھوڑ دیں، سب کے سب نمازی بن جائیں، شریعت کے پابند ہو جائیں، سنت کے مطابق زندگی گذاریں اور صحیح معنوں میں سچے پکے مسلمان بن جائیں تو دیکھئے پھر کیا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

یعنی تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم ایمان پر قائم رہو۔

یہ نص قطعی ہے اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور آج جو ہم پر ہر طرف سے ذلت و رسوائی مسلط ہے یہ ہماری بداعمالیوں کی سزا ہے۔

میری ایک پوری نظم ہے جس میں دعوت ہی دعوت ہے، اس کے چند اشعار اس مضمون کے مناسب پڑھ کر مضمون ختم کرتا ہوں۔

ذلت و خواری و رسوائی سے تجھ کو کیا کام
سچ بتا کیا تو نہیں ہائے محمد کا غلام
ہائے کیا بات ہے سوچا ہے کبھی اس کو بھی
تجھ سے زیادہ نہیں ہے کوئی دنیا میں بدنام
خاک میں تجھ کو ملایا ہے تری غفلت نے
ہوش میں اب بھی نہ آیا تو ہے حیرت کا مقام
آہ! تجھ کو نہیں یاد رہا اپنا مقام
مقتدی تو نہیں ہرگز تو ہے دنیا کا امام
تو اگر آج بھی ہو جائے محمد کا غلام
سمجھیں رحمت تجھے پھر دنیا کی ساری اقوام
تیرے ایمان میں خامی نہ کہیں رہ جاتی
کاش پی لیتا اگر تو بھی محبت کا جام
بندے اللہ کے اللہ سے جب باغی ہیں
کیا تعجب ہے جو دنیا میں بپا ہے کہرام

جب ایمان دل میں راسخ ہوجائے گا

ہم زبان سے تو اپنے کو مومن کہتے ہیں لیکن ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کیا ایمان ہمارے قلب میں ہے؟ اور ہم صحیح معنوں میں مومن ہیں؟ اللہ کی خشیت اور اس کی محبت دل کے اندر ہوتی ہے تو اس کے آثار ظاہر

ہوتے ہیں، جیسے ایمان قلب کے اندر ہوتا ہے مگر اس کے علامات و آثار ظاہر ہوتے ہیں، پس جب ایمان دل میں راسخ ہو جائے گا، اللہ و رسول کی محبت دل میں راسخ ہو جائے گی تو اللہ کی راہ میں جان و مال سب کچھ قربان کرنا آسان ہو جائے گا، صحابہ کرامؓ کی زندگی کو دیکھ لو، ان کے دل میں ایمان آگیا تھا اور اللہ و رسول کی محبت دل میں راسخ ہو گئی تھی تو انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت و آبرو سب کچھ قربان کر دیا ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے، اس میں غور کریں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کا یقین ہم سب کے دل میں ڈال دے اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔

آج اس مدرسہ میں مجھے پہلی بار حاضری کا اتفاق ہوا، اور آپ حضرات کی خواہش پر مختصر وقت میں کچھ بیان بھی کر دیا، یہاں آکر جی خوش ہوا، خدا کرے مدرسہ کو ترقی ہو، طلباء اور اساتذہ سے دین کی خدمت ہو اور صحیح معنوں میں دین کی خدمت کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے، اپنی محبت عطا فرمائے، ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین ثم آمین

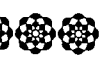

صحبت صالحین کی ضرورت واہمیت

اقتباس

اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جا کر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاءاللہ آپ خود محسوس کریں گے۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آیئے

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّ قُوْدُ هَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ﴾

ابھی شروع میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پاک کی تلاوت کی فرمائش کی گئی اور اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی، آپ حضرات نے بھی سنا کتنا اچھا معلوم ہوا کہ اتنا چھوٹا بچہ زبانی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، یہ بھی قرآن پاک کا عجیب وغریب معجزہ ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے اس کو یاد کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کی حفاظت کا وعدہ ہے اس کا یہی انتظام ہے، اور جو لوگ اس کو یاد کر لیتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی سعادت اور

خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے کلام پاک کی حفاظت ان کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت اور ان کا فضل وانعام ہے اور انتہائی شکر کا مقام ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کا بھی مطالبہ ہے اور یہ مطالبہ عوام وخواص سب سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا﴾

جہنم سے بچنے کی صورت

اس آیت میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ہم وہ اعمال اور صفات اختیار کریں جن سے جنت میں داخل ہو سکیں اور جہنم سے بچ جائیں، پس ہم کو چاہئے کہ خود بھی دوزخ کی آگ سے بچیں اور اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیں اور اپنے اہل وعیال کو اور اسی طرح دوستوں اور عزیزوں کو بھی بچائیں اور جہنم سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ سب سے پہلے ہم شرک سے بچیں، جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور خدا کے سوا کسی مخلوق کو نافع وضار نہ سمجھا جائے بلکہ یہ عقیدہ راسخ کیا جائے کہ نافع وضار صرف اللہ ہی کی ذات ہے اس وقت آپ کو اپنے ہی دو شعر سناتا ہوں ؎

الفت میں ان کی اپنے کو جس نے بھلا دیا
دونوں جہاں میں پھر اسے خوف وخطر نہیں

غیروں پہ تیری جاتی ہے کس واسطے نظر
واللہ ان کے ہاتھ میں نفع وضرر نہیں

نفع وضرر سب خدا ہی کے اختیار میں ہے، وہی بیمار ڈالنے والے ہیں وہی شفا دینے والے ہیں، وہی مارنے والے اور وہی جلانے والے ہیں، غرض اس عالم میں متصرف انہی کی ذات ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ﴾

فرمایا کہ بھلا تم نے ان کو دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو، تم بھی اور تمہارے پرانے بڑے بھی کہ یہ میرے لئے باعث ضرر ہیں، مگر ہاں رب العالمین جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے، اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا، اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔

جس کی توحید کامل ہوجاتی ہے

جس کی توحید کامل ہو جاتی ہے اس کی نظر غیر پر نہیں اٹھتی وہ صرف خدا

ہی کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو انہی کی طرف سے دیکھتا ہے انہی کو اپنا خالق ومالک اور رب سمجھتا ہے اور وہ بالکل اس کا مصداق ہوتا ہے۔

جہاں دیکھیں جدھر دیکھیں نظر محبوب آتا ہے
تعالی اللہ یہ برکت ہے انوار محبت میں

اس کی نظر محض اللہ پر ہوتی ہے اور غیر اللہ کو اپنے دل سے نسیاً منسیاً کر دیتا ہے اور اللہ سے محبت جب کامل ہو جاتی ہے تو اس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ غیر اللہ کے نقش کو دل سے مٹا دیتی ہے اور اغیار کو خاکستر کر دیتی ہے اس مضمون کا میرا اپنا ہی ایک شعر ہے سنئے۔

اسے نسیان کامل غیر سے واللہ ہوتا ہے
عجب کچھ شان دیکھی میں نے بیمار محبت میں

اے مسلمانو! سنو، مذہب اسلام میں بنیادی چیز اللہ کی توحید ہے اور شرک بالکل اس کے منافی ہے، اس لئے شرک باللہ سے بچو اور اللہ کی توحید پر مر مٹو اور اس پر اٹل ہو جاؤ، چنانچہ ہمارے اول کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مفہوم یہی ہے۔

لٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق

جب اللہ کی توحید دل میں آجاتی ہے اور اس کی لذت سے آدمی آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر مر مٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور کسی حال میں اس کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتا، میرا ہی ایک شعر ملاحظہ ہو۔

لٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق
مزہ کچھ اس طرح پاتا ہے گلزار محبت میں

اس کا مزہ حضرت بلال حبشیؓ سے پوچھو کہ جب کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا اور ایمان کی حلاوت کو چکھ لیا تو پھر ان پر لاکھ ظلم ڈھائے گئے سینے پر پتھر رکھ کر تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا گیا مگر وہ اَحد اَحد کی رٹ لگاتے رہے اور دوبارہ شرک کی طرف جانا گوارہ نہ فرمایا، بلکہ توحید پر اٹل رہے اور جبل استقامت بن کر سارے عالم کے سامنے قیامت تک کے لئے زبردست نمونہ اور مثال قائم فرما گئے یہ تھی حضرت بلالؓ کی توحید۔

چنانچہ اس واقعہ کو شاعر نے اردو میں نظم کیا ہے جس کو میں نے اپنے بچپن میں پڑھا تھا اور مجھے اس کے پڑھنے میں بڑا مزہ آتا تھا، اس وقت بعض اشعار مجھے بے ساختہ یاد آگئے جی چاہتا ہے کہ آپ کو بھی سنادوں تاکہ اس سے حضرت بلالؓ کی استقامت کا کچھ اندازہ ہو، ان پر ظلم وستم کی کیفیت کو دیکھ کر صدیق اکبرؓ نے ان سے کہا اے بلال! تم آہستہ آہستہ کلمہ پڑھو، زیادہ زور سے اس کا اعلان نہ کرو، چنانچہ انہوں نے کچھ دنوں اس پر عمل کیا، مگر پھر جوش محبت میں بآواز بلند کلمہ پڑھنے لگے اس پر ان کا آقا جس کے یہ غلام تھے بہت خفا ہوا اور مختلف طریقہ سے ان کو اذیتیں پہنچائیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ گرم ریت پر لٹا کر ان کو گھسیٹا، مگر انہوں نے ان سب کو برداشت کیا اور توحید پر اٹل رہے ان کے اسی حال کا بیان ان اشعار

میں مذکور ہے جن کو میں اس وقت سنانا چاہتا ہوں، سنئے۔

پتھروں سے ہو رہا ہوں پائمال　　خون اب دینے لگا ہے بال بال
ان عذابوں کی مجھے پروا نہیں　　ان تکالیفوں سے دل دکھتا نہیں
دفتر عشاق میں لکھ لے مجھے　　چاہے پھر جتنی بھی ایذا دے مجھے
دیکھ پھر کس شوق سے لیتا ہوں میں　　جان کو کس شوق سے دیتا ہوں میں

زکوٰۃ کی فرضیت نماز ہی کی طرح ہے

بہت سے صحابہ کرامؓ کو اس قسم کی تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر وہ لوگ اپنے کام میں لگے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے رہے، لہٰذا ہم کو بھی چاہئے کہ دین کی طرف دعوت دیں اور دوسروں کو سمجھائیں کہ توحید اختیار کرو، شرک سے باز رہو، اللہ کے احکام کی پابندی کرو، نماز کی پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، مال ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اس سے جس طرح نماز کی فرضیت ثابت ہوئی اسی طرح زکوٰۃ کی بھی فرضیت ثابت ہوئی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

صدیق اکبرؓ کی عزیمت

حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور یہ کہنے لگے کہ ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے تو حضرت

صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا ہم اس کے ساتھ جہاد کریں گے، صحابہؓ نے آپ کو سمجھایا کے اے خلیفۂ رسول! ذرا نرمی کیجئے، حتیٰ کہ فاروق اعظمؓ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ ابھی نرمی ہی مناسب ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اے عمر! تم جاہلیت میں تو سخت تھے اور اسلام میں بودے ہوگئے، پھر فرمایا کہ اگر میرا ساتھ اگر کوئی بھی نہ دے گا تو میں تنہا ان مانعین زکوٰۃ سے جہاد کے لئے جاؤں گا، آخر تمام حضرات صحابہؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔

اُدھر یہ ہوا کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ روکی تھی جب انہوں نے صدیق اکبرؓ کے عزم جہاد کو سنا تو تائب ہوگئے اور کہا کہ ہم زکوٰۃ بھی دیں گے، نماز بھی پڑھیں گے اور تمام احکام شرع کی پابندی کریں گے۔

دین کے تمام شعبوں پر عمل ضروری ہے

بہر حال جس پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ ادا نہیں کرتا تو اسلام کا ایک فریضہ ترک کر رہا ہے لہٰذا اس کی بھی تاکید ہونی چاہئے کہ نماز پڑھو، روزے رکھو اور مال ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ نکالو، اور استطاعت ہو تو حج بھی کرو، اور محض اتنے پر بھی اکتفانہ ہونا چاہئے بلکہ دین کے جتنے شعبے ہیں سب پر عمل ضروری ہے اور اس کی طرف دعوت لازمی ہے، اخلاق و عادات کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے جب ہم صورت میں، سیرت میں، لباس میں، وضع قطع میں، لینے دینے میں، رہنے سہنے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، شادی غمی میں، غرض

اپنے تمامی امور میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کریں گے تب صحیح معنوں میں امتی کہلانے کے مستحق ہوں گے۔

تاقیامت دعوت دین کا سلسلہ جاری رہے گا

آج امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی، دین کے ہر باب میں ہم سے کوتاہی ہورہی ہے اور ہم طریق سنت کو چھوڑتے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ و رسول سے دور ہوتے جارہے ہیں مگر اللہ کے کچھ بندے آج بھی موجود ہیں اور تاقیامت ایسے لوگ رہیں گے جو دین کی دعوت کے لئے مستعد و کمربستہ رہیں گے چنانچہ یہاں بھی ایسے حضرات موجود ہیں جو دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ہم لوگ بھی بعض احباب کی خواہش پر اسی لئے یہاں آئے ہیں کہ آپ کو دین کی باتیں سنائیں۔

میرے محترم عزیزو! دین کی دعوت میں بھی اکابر کے طریق کو پیش نظر رکھیں ہمارے اکابر نے دین کی دعوت دی تو ان کو کیسی کیسی مصیبتیں پیش آئیں اور اللہ کی راہ میں انہوں نے کتنی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں اور بعد میں لوگوں نے انہی کو مانا بھی اور مخلص لوگوں کی جماعت تیار ہوگئی جو پسینہ بہنے کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتی تھی، بھائی اصل چیز اخلاص ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو ضائع نہیں فرماتے اس لئے اخلاص اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اخلاص اختیار کریں اور اپنے اندر دین کی سچی طلب پیدا کریں کیونکہ دین طلب اور محنت ہی سے ملے گا، کچھ ہم کو اس کے لئے مشقت تو

برداشت کرنی ہوگی۔

بڑوں کی بڑی بات

ہمارے اکابر کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک ایک حدیث سننے کے لئے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا ہے، اسی طرح جب وہ حدیث رسول کو سنتے تھے تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی چنانچہ بعضے حضرات تو صرف قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ﷺ) سن کر ہی بے ہوش ہو جاتے تھے، اسی طرح قرآن پاک سن کر بھی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ایک عام غفلت کی طرف خصوصی توجہ

پس ہم کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کے طرز کو اختیار کریں اور ان کی سیرت اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر کریں، قرآن پاک کو تدبر کے ساتھ پڑھیں اور حدیث رسول کو ادب کے ساتھ مطالعہ کریں اور اللہ و رسول کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی بنائیں خود بھی عمل کریں اور گھر والوں کو بھی عمل کرائیں۔

میں نے ایسا بہت دیکھا ہے کہ علماء کے پاس مردوں کے آنے جانے اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی برکت سے وہ تو نمازی ہو جاتے ہیں مگر عورتیں بے نمازی کی بے نمازی ہی رہ جاتی ہیں، تو چونکہ گھر میں دینی ماحول نہیں بنتا اس لئے بچے بھی نماز کے عادی نہیں ہو پاتے، حالانکہ اولاد کی تربیت اور گھر والوں کی دینی حالت کی ذمہ داری بھی ہمارے ذمہ ہے، حدیث شریف میں آیا

ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جاوے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جاوے تو اس کو نماز کے ترک پر مارو، آج عموماً اس حدیث پر عمل کی طرف ہم لوگوں کی توجہ نہیں حالانکہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ گھر والوں میں سے کوئی بھی بے نمازی نہ رہ جائے، لہٰذا خود بھی نمازی بنیں اور اپنے گھر والوں کو بھی نمازی بنائیں۔

نزولِ رحمتِ الٰہی کیسے ؟

میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ جس دن سب لوگ نمازی ہو جائیں گے تو اللہ کی خاص رحمت نازل ہو گی اور سب کو گھیر لے گی، کر کے تو دیکھیں!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ﴾ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

نماز کا قائم کرنا اہتمام کو چاہتا ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ ایک تو ہے نماز پڑھنا اور ایک ہے نماز کو درست کرنا جو اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم میں داخل ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مطابق وضو ہو اور سنت کے مطابق قرأت ہو، رکوع اور سجود ہو، غرض ہر رکن نماز کو مکمل طریقے سے ادا کیا جائے اور ان سب کے آداب کی پوری پوری رعایت کی جائے پس اقامتِ صلوٰۃ سے یہی مراد ہے کہ نماز کے تمام ارکان کو سنن و آداب کی پوری پوری رعایت کے ساتھ ادا کیا جائے۔

ایک گذارش والتماس

اب میں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ کوئی رکن اطمینان سے ادا نہیں ہوتا حتیٰ کہ جو لوگ امامت کرتے ہیں ان میں بھی بعض دفعہ کمی رہ جاتی ہے حالانکہ امام کو مزید اطمینان کی ضرورت ہے امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے، میرا خود اپنا تجربہ ہے بعض دفعہ ایسا ہوا کہ سجدہ میں ایک بار تسبیح پڑھ پایا تھا کہ امام نے دوسرا سجدہ کر دیا اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں التحیات بھی ختم نہ کرپایا تھا کہ ادھر امام صاحب نے سلام پھیر دیا۔

اب آپ ہی بتلایئے یہ بھی کوئی نماز ہے نماز کو اللہ کے مراقبہ اور حضور کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴾ اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ممتاز فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی

تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو، اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ تمہارے اوپر رسول اللہ گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو، سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

اتباع سنت کا ایک فائدہ

انسان اسی وقت نیک بنے گا جب خدا کی طرف دوڑے گا، برائیوں سے بچے گا عمل صالح اختیار کرے گا نیک کام وہی ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور صحیح نیت سے اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے کیا جائے جو عمل سنت کے مطابق نہیں اللہ ورسول ﷺ کے نزدیک اس کی کچھ وقعت نہیں، اور اتباع سنت کی نیت سے تو عادت بھی عبادت بن جاتی ہے اور جو عبادت خلاف سنت ادا کی جائے وہ منہ پر ماردی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں "سنت کے مطابق دوپہر میں کھانا کھاکر قیلولہ کرنا ان ہزاروں راتوں کی عبادت سے بہتر ہے جو خلاف سنت ادا کی گئی ہوں"

مجاہدات بھی وہی معتبر ہیں جو خلاف سنت نہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ یعنی اللہ کی راہ میں اور دین کے لئے خوب کوشش کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

دوسری جگہ اسی مضمون کو یوں فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں تو ہم اپنا راستہ ان کے لئے کھول دیتے ہیں۔

اسی طرح اس مضمون کو ایک جگہ دوسرے عنوان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا، اس سے مراد یہی ہے کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے مددگار بن جائیں گے۔

میرے دوستو اور عزیزو! اللہ کے دین کے لئے اپنی جان اور مال سے کوشش کرو اپنی زندگی کو اسی مقصد کے لئے وقف کردو، اور اللہ کی راہ میں اپنے کو قربان کردو۔

دین کا ایک اہم باب

میں تو برابر یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ میں دنیا کے کاروبار کو منع نہیں کرتا اس کو بھی کرو مگر حدود شرع کا لحاظ ضروری ہے، ہر کاروبار شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، تجارت ہو تو اس کے مسائل بھی علماء سے پوچھ پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرو، زراعت ہو تو اس کے احکام بھی معلوم کرو، شریعت میں معاملات سے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں اور یہ بھی دین کا ایک اہم باب ہے اور اس کا علم نہ ہونے کے سبب آدمی حرام کا مرتکب ہو جاتا ہے جس

کی وجہ سے طاعات وعبادات کا ثمرہ بھی مرتب نہیں ہوتا، اسی بنا پر ہمارے اکابر معاملات کی صفائی اور درستگی پر بہت زور دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مستقل ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے "صفائی معاملات" جس میں روزمرہ پیش آنے والے معاملات سے متعلق ضروری احکام درج ہیں اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ناواقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے ہم روزانہ کتنے محرمات کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کی خبر بھی نہیں واقعی جہالت بہت بری بلا ہے۔

اگر ہم سچے پکے مسلمان بننا چاہتے ہیں تو دین کے ہر باب میں پختگی پیدا کریں اور سب سے پہلے اس کے متعلق جو احکام ہیں ان کو سیکھیں اور عقائد میں، عبادات میں، معاملات اور معاشرت میں، اخلاق وعادات میں ہم اتباع کریں محمد رسول اللہ ﷺ کا۔

اگر منکرات سے دل میں نفرت نہ ہوگی تو...

اور ہر مسلمان جو کلمہ پڑھنے والا ہے خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، وہ پختہ ارادہ کرلے کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے اور اللہ کے دین کی خدمت میں لگ جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ دوسرے لوگ بھی سچے پکے مسلمان اور اللہ والے بن جائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ" یعنی تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کردے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اس کو برا سمجھے اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منکرات کو مٹانے پر اگر پوری قدرت ہو تو خود مٹادے ورنہ زبان سے لوگوں کو منع کرے اور اس کی قدرت بھی نہ ہو تو دل سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا ادنیٰ مرتبہ ہے اگر منکرات سے دل میں نفرت بھی نہ ہوگی تو ایمان کا آخری درجہ بھی باقی نہ رہے گا پس اگر ہم گناہ کی باتوں کو دیکھیں اور دل سے بھی نفرت نہ کریں تو ہم بھی اس جرم میں شریک سمجھے جائیں گے۔

منکرات کے فروغ کا ایک اہم سبب

آج اگر ہم لوگ اس بات پر آمادہ ہو جائیں اور اس کام کے لئے کمربستہ ہو جائیں کہ جتنے منکرات اور برائیاں ہمارے اندر ہیں ان سب کو ہم ختم کریں گے اور خود ایسی چیزوں میں شرکت نہیں کریں گے تو بہت کچھ اصلاح ہو جائے، آج جو منکرات کو فروغ ہو رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ عام مسلمانوں میں اس سے نفرت باقی نہیں رہی، ایک کرتا ہے اور سب اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اگر بلاخوف لومۃ لائم نکیر کی جانے لگے اور ناجائز

مجلسوں میں شرکت سے پرہیز کیا جائے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہو جائے، مگر اس کے لئے ہمت چاہئے یہ ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے اس کے لئے شیر مرد ہونا چاہئے جیسا کہ ہمارے اکابر وائمہ تھے۔

دین کو فروغ کیوں کر ہوا؟

چنانچہ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے جو فقہ کے ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام اور زبردست محدث اور فقیہ ہیں، ایک جگہ ان کی دعوت ہوئی، وہاں تشریف لے گئے تو ان کی نظر ایک طاق پر پڑی جس پر ایک چاندی کی سرمہ دانی رکھی ہوئی تھی، دریافت فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ چاندی کی سرمہ دانی ہے جس سے سرمہ لگایا جاتا ہے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، اور یہاں چاندی کی سرمہ دانی استعمال کی جاتی ہے، اس لئے یہاں دعوت نہ کھاؤں گا، یہ کہہ کر واپس ہو گئے اور دعوت نہیں کھایا، ہمارے اکابر کو منکرات سے اس قدر نفرت تھی تب ان سے دین کو فروغ ہوا اور اپنے وقت کے امام ہوئے۔

سونے کی انگوٹھی یا اور کوئی زیور عورتوں کے لئے تو جائز ہے، مردوں کے لئے جائز نہیں اور سونے چاندی کا برتن تو کسی کے لئے جائز نہیں، لیکن اب آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مرد بھی سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں یہ جائز نہیں مگر ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں اگر علماء سے پوچھیں تو بہت سے

منکرات کا علم ہو سکتا ہے۔

تو بھائی! منکرات کو چھوڑیں اور اگر ہاتھ سے مٹانے پر قدرت ہو اور ہمت ہو تو ہاتھ سے مٹادیں اور اگر اتنی ہمت نہ ہو تو زبان سے برا کہیں اور اتنا بھی نہ ہو سکے تو دل سے نفرت کریں، یہ آخری درجہ ہے، اور جو حضرات یہاں موجود ہیں خود بھی تیار ہو جائیں اور جو موجود نہیں ان کو یہ بات پہنچادیں کہ وہ خود بھی منکرات سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی دعوت دیں، اگر کچھ لوگ ایسا کرنے لگ جائیں تو بہت سے منکرات ختم ہو جائیں اور خاص طور پر رسوم وبدعات سے احتراز کریں دین میں جتنی باتیں نئی نئی پیدا کرلی گئی ہیں یہ سب بدعت ہیں ان سب سے احتراز کریں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق

بعض لوگ بدعت کی دو قسم بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کہتے ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے علماء اور مشائخ اگر انصاف سے کام لیں تو بدعت حسنہ کا نام زبان پر ہرگز نہ لائیں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، تو پھر بدعت حسنہ کیسے ہو سکتی ہے اور جس چیز کی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے وہ بدعت میں داخل ہی نہیں۔

حضرت مولانا مرتضیٰ صاحب چاندپوریؒ فرماتے تھے کہ ''اے بدعت ملعونہ تیرا ناس ہو تو جس گھر میں داخل ہوتی ہے تو پہلے عقل کو وہاں سے

رخصت کر دیتی ہے"۔

پس سنت پر عمل کریں، بدعت سے پرہیز کریں، شرک سے پرہیز کریں توحید پر ثابت قدم رہیں، ہر حال میں اللہ کی مرضی پر راضی رہیں، تو ہمارا سب کام بن جائے گا اپنی نظر کو اپنی نظر نہ سمجھیں اور اپنی رائے کو اپنی رائے نہ سمجھیں بلکہ اللہ ورسول کی مرضی میں اپنے کو فنا کریں، میرا اپنا ہی یہ شعر ہے۔

نظر ان کی نظر اپنی، پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

جب ہم نے محبت کا دعویٰ کیا ہے تو حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں، معروف پر عمل کریں، منکرات سے پرہیز کریں، مومن کی یہی شان ہے۔

معروف پر عمل کرنا آسان ھے لیکن...

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے صاحب زادے ہیں فرماتے ہیں کہ معروف پر عمل کرنا تو آسان ہے مگر منکرات سے بچنا اور اس سے روکنا مشکل کام ہے، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کی مخالفت جو کی گئی اور ان پر لعن طعن کیا گیا اور کیسی کیسی اذیتیں اور مصیبتیں پہنچائی گئیں وہ سب منکرات ہی سے روکنے کی وجہ سے ہوا کیونکہ انہوں نے کفر وشرک سے اور رسوم وبدعات سے روکا تو لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔

کامیاب کون ؟

آپ جانتے ہیں کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ یعنی ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لہٰذا ہم سوچیں کہ ہم کو بھی مرنا ہے اور اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے، آخرت میں کام آنے والی چیز تو بس اعمال صالحہ ہیں، یہ دنیا کی کامیابی چند روزہ اور فانی ہے، اصل کامیابی یہ ہے کہ قیامت کے روز ہم جہنم سے بچالئے جائیں اور جنت میں داخل کردیئے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ یعنی جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس کے لئے ہم کو کوشش کرنا چاہئے اور اسی کی دعوت دوسروں کو دینا چاہئے کہ جہنم کے راستہ کو چھوڑو اور جنت کے راستہ پر چلو، اللہ کا حکم مانو اور اللہ کے رسول کا حکم مانو، شریعت کی پابندی کرو سنت کی پیروی کرو۔

محبت کی حقیقت ھی
ابھی تو نے نھیں جانی

اگر ہم دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، ان کی مرضی کے مطابق چلا جائے اور من مانی زندگی چھوڑ دی جائے، یہ من مانی جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے کہ جو ہمارا جی چاہے وہی کریں تو گویا ہم اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں

حالانکہ ہم آزاد نہیں بلکہ ہم بندے اور غلام ہیں اور غلام آقا کی مرضی پر چلتا ہے اپنی مرضی کو چھوڑ دیتا ہے میں اپنا ایک شعر پڑھ کر اب اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے ۔

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

محبت فنافی المحبوب کا نام ہے، یعنی وہ جو فرمائیں ہم وہی کریں اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہیں اگر ہم ایسا کریں گے تو انشاءاللہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اخلاص کی دولت کیسے حاصل ہوگی؟

دوستو اور عزیزو! آج اسی کام کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اس پر عمل کریں اور اس کی دعوت بھی دیں، اخیر میں ایک اہم اور ضروری شئی کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

وہ یہ کہ آپ کے ہر کام میں اس وقت ایک جان پیدا ہو جائے گی جب کہ آپ کبھی کبھی اللہ والوں کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہیں گے اللہ والوں کی صحبت میں یہ اثر ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے سے انشاءاللہ تعالیٰ عمل کی توفیق ہو جائے گی اور راستہ آسان ہو جائے گا، اعمال صالحہ کی رغبت اور برائیوں سے نفرت دل میں پیدا ہو جائے گی اور ان کی صحبت میں رہ کر اخلاص کی دولت حاصل ہو گی جو عمل کی روح ہے، بدون اخلاص کے عمل کی مثال

بے روح جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ جسم بے روح کی کیا قدر و قیمت ہو گی، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا، سنئے ؎

عمل کی روح ہے اخلاص جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

پس ایمان و عمل میں اور اسی طرح دعوت الی اللہ میں روحانیت و نورانیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو یہ صحبت کیمیا اثر رکھتی ہے۔

گوشہ نشینی برے ساتھی سے بہتر ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنی کتاب "ارشاد الطالبین" کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "ذکر، فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو، بشرطیکہ وہ علماء دنیاداروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔

"العزلة خير من الجليس السوء والجليس الصالح خير من العزلة" یعنی گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور نیک ہم نشین گوشہ نشین سے بہتر ہے۔

بروں کی صحبت مبتدیوں کے لئے سخت مضر ہے

جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق

رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کردیتی ہے، خصوصاً مبتدی کے حق میں سخت مضر ہے جیساکہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کردیتی ہے، صوفیوں، صاحب دلوں، ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ "اِجلس بنا نؤمن ساعۃً" یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زماں ہم صحبتت بااولیاء　　بہتر از صد سال بودن در تُقا

یعنی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سوسال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ "نماز را بہ حقیقت قضا بود ولیکن نماز صحبت مارا قضانہ خواہد بود" یعنی نماز اگر رہ جائے تو قضا کی جاسکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اس کی کوئی قضا نہیں، دیکھئے! حضرت خواجہ صاحبؒ صحبت اہل اللہ کی اہمیت کو کیسے کیسے عنوان سے واضح فرمارہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے اس کو سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں ؎

بے روح جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ جسم بے روح کی کیا قدر و قیمت ہو گی، میرا اپنا ہی ایک شعر یاد پڑا، سنئے ؎

عمل کی روح ہے اخلاص جب تک یہ نہ حاصل ہو
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

پس ایمان و عمل میں اور اسی طرح دعوت الی اللہ میں روحانیت و نورانیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو یہ صحبت کیمیا اثر رکھتی ہے۔

گوشہ نشینی برے ساتھی سے بہتر ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنی کتاب "ارشاد الطالبین" کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "ذکر، فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو، بشرطیکہ وہ علماء دنیاداروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔

"العزلة خير من الجليس السوء والجليس الصالح خير من العزلة" یعنی گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور نیک ہم نشین گوشہ نشین سے بہتر ہے۔

بروں کی صحبت مبتدیوں کے لئے سخت مضر ہے

جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق

رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے، خصوصاً مبتدی کے حق میں سخت مضر ہے جیسا کہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے، صوفیوں، صاحب دلوں، ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ "اِجلس بنا نؤمن ساعةً" یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

یک زماں ہم صحبتت بااولیاء　　بہتر از صد سال بودن در تُقا

یعنی اولیاء کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ "نماز را بہ حقیقت قضا بود ولیکن نماز صحبت مارا قضانہ خواہد بود" یعنی نماز اگر رہ جائے تو قضا کی جاسکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اس کی کوئی قضا نہیں، دیکھئے! حضرت خواجہ صاحبؒ صحبت اہل اللہ کی اہمیت کو کیسے کیسے عنوان سے واضح فرمارہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخیار کی صحبت سے خیر حاصل ہوتا ہے اور اشرار کی صحبت سے شر ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے برے ساتھیوں سے پرہیز کریں اور اہل دل اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں اور وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جاکر بیٹھا کریں اس کا نفع انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، میرا اپنا ہی ایک شعر ہے اس کو سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں ۔

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ مرے ساتھ آیئے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

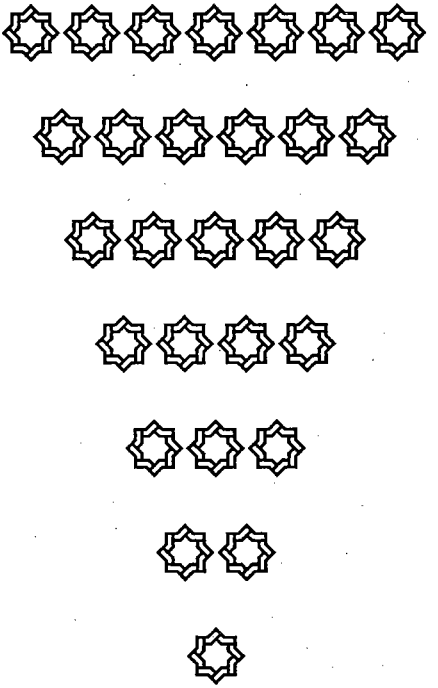

حاملین قرآن کی ذمہ داریاں

اقتباس

"بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، مفتی بن کر لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ،أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

آخری رسول اور آخری کتاب

آپ حضرات جانتے ہیں قرآن پاک خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب کوئی نبی نہیں آئے گا اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے، اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی لہٰذا قیامت تک کیلئے ہمارا دستور العمل یہی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس کے ساتھ جیسا شغف مطلوب ہے ویسا شغف رکھیں، یہ وہی قرآن پاک ہے کہ جب مشرکین مکہ اس کو سنتے تھے تو اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ مشرف باسلام ہو جاتے تھے اور اس کی آیات طیبات کو سن کر کلمہ پڑھ لیتے تھے یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

صدیق اکبرؓ کا قرآن کریم سے شغف

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے مکان کے سامنے ایک چبوترہ بنا رکھا تھا اس پر نماز پڑھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، صدیق اکبرؓ کا امت میں جو مقام ہے آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ افضل البشر بعد الانبیاء انہی کی ذات ہے ان کے کمالات ایمانی کا کیا کہنا! کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور یہ حقیقت ہے کہ جس کا جس درجہ ایمان ہو گا اسی درجہ کی اس کی تلاوت ہو گی، لہٰذا امت کا کوئی فرد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی تلاوت نہیں کر سکتا، اور اس کی

کیفیت کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے ان سے سنا ہو گا، ہم لوگوں کو بھلا اس کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، بہر کیف اس تلاوت کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔

پس جب آپ چبوترہ پر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو مکہ کے نوجوان آکر آپ کی تلاوت سنتے تھے اور اس سے متأثر ہو کر ایمان لاتے تھے، مشرکین مکہ نے جب یہ حال دیکھا تو ان کو فکر ہوئی کہ اس طرح تو ہمارے سب جوان مسلمان ہو جائیں گے لہٰذا اس کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

چنانچہ انہوں نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ آپ مکہ چھوڑ کر کہیں باہر چلے جائیے، آپ کو یہاں رہنے نہیں دیا جائے گا، قوم کی مخالفت دیکھ کر آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمالیا، اور حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے ابھی کچھ دور گئے تھے کہ راستہ میں ایک بڑے سردار سے اتفاقاً آپ کی ملاقات ہو گئی اس نے دریافت کیا اے ابو بکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو فرمایا چونکہ یہاں آپ لوگ قرآن پاک کی تلاوت سے روکتے ہیں اس لئے میں اپنا وطن چھوڑ کر ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں بلا روک ٹوک قرآن پاک کی تلاوت کر سکوں، تو اس نے کہا کہ آپ لوٹ چلیں مگر اتنا کریں کہ قرآن پاک جہر کے ساتھ نہ پڑھیں بلکہ آہستہ آہستہ تلاوت کیا کریں، آپ نے فرمایا بہت اچھا اور واپس آگئے، اور چند روز تک آہستہ تلاوت کرتے رہے پھر آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ میں اب حسب سابق جہر کے ساتھ قرآن پاک پڑھوں گا چاہے کچھ بھی حشر ہو، چنانچہ جہر کے ساتھ تلاوت شروع فرمائی، تو

آپ جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی جانب سے کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے آکر آپ کی تلاوت کلام اللہ کے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا شروع کردیں تاکہ تلاوت میں حرج ہو اور لوگ سن نہ سکیں۔

کلام خداوندی کا کمال

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے تھے تو قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آپ کی داہنی اور بائیں جانب کھڑے ہو کر شور و شغب کرتے تھے، تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے اور زور زور سے اشعار پڑھتے تھے تاکہ آپ قرآن نہ پڑھ سکیں اور لوگوں کے کانوں میں آپ کی آواز نہ پہنچ سکے اور اپنی قوم سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ یعنی اور یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو۔

بھائی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اوز بردست تاثیر کا حامل ہے جب اس کی تلاوت کی جائے تو غور سے سنیں اور ایسا سنیں جس کا دل پر اثر ہو محض کان سے سننا جس سے دل متأثر نہ ہو، اس کا کچھ اعتبار نہیں، قرآن پاک کا اثر اگر ہمارے دلوں پر ہو جائے تو ہماری زندگی تبدیل ہو جائے، آج ہمارے پاس اسلاف جیسے قلوب نہیں رہے جن کی تلاوت میں ایسی تاثیر تھی کہ کفار و مشرکین اس کو سن کر متأثر ہو جاتے تھے، اسی بنا پر ان میں کے شریر و سرکش اس

بات کی کوشش کرتے تھے کہ قرآن پاک ہمارے کانوں تک پہنچنے ہی نہ پائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دل پر اثر ہو جائے اور آبائی کفر و شرک کو چھوڑنا پڑے، یہ ان کی ایک تدبیر تھی جس کو انہوں نے اپنی گمراہی پر باقی رہنے کے لئے اختیار کر رکھا تھا، اور اپنے جوانوں سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، تو اللہ تعالیٰ ان کی اس تدبیر کی تردید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں ان کے ہر ہر جملے کا پورا پورا رد ہے یعنی جس طرح انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور تلاوت کے وقت شور مچاؤ، امید ہے کہ تم غالب آجاؤ گے اسی طرح اس کے مقابل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگاؤ اور خاموش رہو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے۔

سبحان اللہ! کیا خوب کلام ہے اور کیسا پُر کیف مضمون ہے کہ انہوں نے کہا مت سنو اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کان لگا کر سنو، انہوں نے کہا کہ شور مچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خاموش رہو، انہوں نے کہا اس تدبیر سے تم غالب آجاؤ گے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم جو تدبیر بتلا رہے ہیں اس کو اختیار کرنے سے تم پر رحمتِ الٰہی متوجہ ہو گی جس سے تم لوگ غالب ہو گے نہ کہ یہ کفار۔

اللہ اکبر! اس کلام میں کس قدر بلاغت ہے، بیشک یہ کلام خداوندی کا

کمال اور خاص وصف ہے۔

تلاوتِ کلام اللہ کی حلاوت کسے اور کیسے؟

بھائی! جب قرآن پڑھا جائے تو سکون سے سنو اور خاموش رہو جو شخص خاموش ہو کر دل لگا کر ہمہ تن گوش ہو کر قرآن کو سنتا ہے اسی کو تلاوت کی لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی لذت و حلاوت رکھی ہے جو کسی چیز میں نہیں، اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسی بابرکت کتاب ہمارے اندر موجود ہے مگر ہم اس کے برکات سے محروم ہیں، ہمیں چاہئے کہ اس کی تلاوت کا معمول بناویں اور کلام اللہ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ تلاوت کریں اور اس میں تدبر و تفکر کریں اور خدا کی کتاب کو جی لگا کر پڑھیں۔

انسان جس قدر کتاب اللہ سے تعلق بڑھاتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کلام اللہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے یعنی کلام اللہ کی تلاوت اور سماعت سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ متوجہ ہوتی ہے، اور نسبت مع اللہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

ایک عظیم الشان نعمت

میرے عزیزو! قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے، جس کو قرآن مل گیا اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہو گئی، اس کی قدر پہچانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت بڑی دولت سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو

بطور امتنان ذکر فرمایا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ یعنی ہم نے آپ کو ایک بڑی بھاری نعمت یعنی سات آیات دیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں (مراد اس سے سورۂ فاتحہ ہے) اور قرآن عظیم مرحمت فرمایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے "فضل کلام اللہ علیٰ سائر الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہٖ" یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔

قرآن کریم کی ناقدری پر وعید

اسی طرح حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "من قرأ القرآن ثم رأی ان احداً اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمه الله" یعنی جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے ایسی چیز کو چھوٹا سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے باعظمت بنایا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قرآن جیسی عظیم نعمت دیا گیا پھر بھی اس نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس کے قرآن کی نعمت سے افضل دیا گیا ہے تو اس نے عظیم چیز کی تصغیر کی، اور چھوٹی کو بڑا سمجھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو قرآن جیسی دولت حاصل ہو اور پھر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف للچائی نظر سے دیکھے تو اس نے کلام اللہ کی تنقیص کی اور

بہت بڑی نعمت کی ناقدری کی۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میری امت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سب سے زیادہ غفلت اور بے اعتنائی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اگر ہم اس کا اہتمام کریں اور قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑیں تو ہماری حالت بدل جائے۔

مسلمان تاقیامت محفوظ رہیں گے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پرتاپ گڑھ کے قریب ایک جگہ اجتماع ہوا جس میں بڑے بڑے علماء تشریف لائے تھے، مجھے بھی دعوت دی گئی تھی، اور وہ اجتماع اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے بقاء و تحفظ کی سبیل پر غور کیا جائے، میری طبیعت وہاں پہنچ کر خراب ہو گئی اس لئے میں نے لوگوں سے کہا کہ جب علماء کرام بیان فرمالیں تو سب سے اخیر میں مجھے بلوالیا جائے۔

چنانچہ بیانات ہوئے اور اخیر میں لوگ مجھے بلانے کے لئے آئے تو میں جا کر وہاں بیٹھ گیا مگر پہلے سے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی، اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ آیت ڈالی ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے میرا ذہن اس مضمون کی جانب منتقل ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو اس کے لئے یہ بھی لازم و ضروری

ہے کہ قرآن کے حاملین و محافظین بھی محفوظ رہیں، پس اس آیت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک تاقیامت محفوظ رہے گا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ اس کی حفاظت کرنے والے مسلمان بھی تاقیامت محفوظ رہیں گے، جو قرآن پاک کو پڑھیں گے اس کو یاد رکھیں گے اور اس کی تفسیر بیان کریں گے۔

گویا قرآن پاک کی حفاظت کا خداوندی طریقہ یہی مقرر ہوا کہ مسلمان اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں، چنانچہ اب تک اسی طور پر محفوظ ہے اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا، پس جو لوگ اپنا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، جب آپ کلام اللہ کے محافظ بنیں گے تو منجانب اللہ آپ کی حفاظت کی جائے گی۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کو حَبل اللہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً﴾ یعنی تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔

یہ خدا کی وہ مضبوط رسی ہے

تلاوت کے وقت اپنے قلب میں اگر اس بات کا استحضار کیا جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے اور ہم حق تعالیٰ کا کلام ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں اور وہ ہماری تلاوت سن رہے ہیں تو ہماری تلاوت کچھ اور ہی قسم کی ہوگی اور اس میں لذت و حلاوت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کے لئے اس رسی کو

نازل فرمایا ہے اور یہ خدا کی وہ مضبوط رسی ہے جس کا ایک سرا تو خود حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں، گویا جو شخص اس کو جس قدر مضبوط پکڑے گا اسی قدر جلد خدائے تعالیٰ تک پہنچے گا، حدیث شریف میں وارد ہوا ہے "ابشروا فان هذا القران طرفه بيدالله وطرفه بايديكم لن تهلكوا او لن تضلوا بعده" (طبرانی، منتخب کنزالعمال)

یعنی خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں، پس اس کو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم اس کے بعد کبھی ہلاک نہ ہو گے یا یہ فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

قرآن پاک سے متعلق میری ایک مستقل نظم ہے جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک
وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی

اور ایک دوسرا شعر یہ ہے ؎

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سو اے وائے نادانی

پس ہم کو چاہئے کہ قرآن پاک کو پہچانیں اور نہایت عظمت و محبت کے ساتھ اس کی تلاوت کریں اور اس میں تدبر و تفکر بھی کریں، اور اس کے مطابق اپنی زندگی بناویں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے

دلوں پر تالے پڑے ہیں۔

طالب علمی کے زمانہ ھی سے عمل کا اھتمام کرو

اس میں ترغیب ہے کہ قرآن پاک میں تدبر کریں، آپ لوگ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں، سبحان اللہ! علم کا کیا کہنا! اس کو سیکھنا بہت ضروری ہے اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے اور سکھانے کے لئے منتخب فرمایا ہے، مگر میرے عزیزو! طالب علمی کے زمانہ ہی سے عمل کا اہتمام کرو اور حاملین قرآن کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی سعی کرو تو انشاءاللہ علم کے برکات و ثمرات تم کو حاصل ہوں گے۔

حاملین قرآن کی صفات

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت سب لوگ سو رہے ہوں، اور اپنے دن سے پہچانا جائے کہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہو) اور اپنے حزن و غم سے پہچانا جائے جب کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں، اور اپنی گریہ وزاری سے پہچانا جائے جب کہ لوگ ہنس بول رہے ہوں اور اپنی خاموشی اور سکوت سے پہچانا جائے جب کہ سب لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں اور بکواس میں مشغول ہوں،

اسی طرح اپنی مسکنت اور تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر وغرور کی باتوں میں لگے ہوں۔

دیکھئے اس میں حاملین قرآن کے کتنے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، اور سب سے اخیر میں تواضع ومسکنت کے اختیار کرنے پر ابھارا ہے، ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ چیز تواضع اور مسکنت ہے، اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ کبر ونخوت ہے، اسی طرح بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ کی اصل تواضع ہے، اسی سے سب صفات حمیدہ انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں، اور تمام رذائل کی اصل تکبر ہے اسی کے سبب تمام برے اخلاق آدمی کے اندر پیدا ہوتے ہیں پس تواضع اختیار کرو اور تکبر سے بچو۔

سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے تواضع کا راستہ اختیار فرمایا اور حق تعالیٰ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف فرمایا ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَ إِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھا اور اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا، اور ابلیس نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی، اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کی راہ اختیار کی، حتیٰ کہ اپنے قصور کی نسبت

حق تعالیٰ کی طرف کی، تو مردود و مطرود ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوال اور اس کے جواب کو قرآن پاک میں جابجا ذکر فرمایا ہے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ قَالَ اَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْماً مَدْحُوْراً لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ حق تعالیٰ نے فرمایا جو تو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو سجدہ کا حکم دے چکا ہوں، شیطان کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے نیچے اُتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے، تو یہاں سے نکل دور ہو، بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا کہ بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان (کے یعنی آدم اور اولاد آدم کی رہزنی کرنے) کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ جاؤں گا پھر ان پر چاروں طرف سے حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی، پیچھے سے

بھی، اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی (یعنی ان کے بہکانے میں کوشش کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پاویں) اور آپ ان میں سے اکثر کو احسان ماننے والا نہ پاویں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا، جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔

ایک دوسرے مقام پر حق تعالیٰ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر فرماتے ہیں، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَأٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّا اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَأٍ مَّسْنُوْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِیْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾

ترجمہ : اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہو گی پیدا کرنے والا ہوں سو میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا، کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے، ارشاد ہوا تو آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا اور بیشک تجھ پر قیامت تک لعنت رہے گی، کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجئے ارشاد ہوا تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی، کہنے لگا کہ بہ سبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو اُن میں منتخب کئے گئے ہیں، ارشاد ہوا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے واقعی میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

تو دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام نے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ﴾ میں قصور کی نسبت اپنی طرف کی تو مقبولِ بارگاہ ہوئے، اور ابلیس نے ﴿فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي﴾ میں تقصیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی تو وہ مردودِ بارگاہ ہوا، پس جو تواضع اختیار کرے گا اس کو مقبولیت عنداللہ حاصل ہوگی اور جو تکبر کی راہ چلے گا اس کو مقبولیت حاصل نہیں ہوگی، الغرض قیامت تک یہ دونوں سلسلے چلتے رہیں گے، انبیاء واولیاء اور صالحینِ امت حضرت آدمؑ کی سنت پر چلتے رہیں گے اور گمراہ لوگ ابلیس کے طریقے پر چلتے رہیں گے، مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ؎

آنکہ فرزندانِ خاص آدمند　　نفحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا می زنند

یعنی جو آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا ﴾ کی صدا لگاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں ؎

اینکہ می بینی خلافِ آدمند　　نیستند آدم غلافِ آدمند

یعنی یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ آدم علیہ السلام کے طریقہ کے خلاف چل رہے ہیں یہ آدمی نہیں ہیں بلکہ آدمی کا غلاف ہیں۔

آئندہ شعر میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے　　احمد و بو جہل ہم یکساں بُدے

یعنی اگر محض ظاہری شکل وصورت پر انسانیت کا مدار ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اور ابو جہل کو یکساں قرار دیا جاتا۔

مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ دونوں میں بون بعید ہے کہ ایک تو رأس الاتقیاء ہیں، اور دوسرا رأس الاشقیاء، پس ظاہر ہے کہ یہ فرق حقیقت انسان کے اعتبار سے ہے، خوب سمجھ لو! حدیث شریف میں آتا ہے "من تواضع لله رفعه الله فهو فی نفسه صغیر وفی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعه الله فهو فی اعین الناس صغیر وفی نفسه کبیر حتیٰ لهو اهون علیهم من کلب او خنزیر" جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں پس وہ اپنی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کردیتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا اور اپنی نگاہ میں بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتّے اور سوّر سے زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے (مظاہر حق)

اسی روایت سے اس حدیث کی بھی شرح ہو جاتی ہے جو آپ ﷺ سے دعا میں وارد ہے "اللّٰهم اجعل فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً" یعنی اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنایئے، اسکا حاصل یہی ہے کہ مجھے متواضع بنادیجئے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ .....

میرے عزیزو! علم دین کو جب صحیح نیت سے حاصل کیا جاتا ہے تو یہ بھی قرب خداوندی کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا تحصیل علم میں اپنی نیت ابھی سے درست کریں اور اللہ کی رضا کیلئے علم دین کو حاصل کریں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد

ہے "انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ ما نویٰ" یقیناً اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور بلاشبہ ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

علم میں بھی ایک قسم کی لذت وحلاوت ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس کی لذت وحلاوت حاصل ہو جائے یہ روحانی حلاوت ہے اور جس کو حاصل ہوتی ہے اس کے نزدیک اس راہ کی ہر کلفت راحت محسوس ہونے لگتی ہے، اکابر امت نے زمانۂ طالب علمی میں بہت سی پریشانیاں بھی برداشت کیں، اکثر طالب علمی کے زمانہ میں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں بھی اپنے اکابر کے حالات کو پیش نظر رکھیں۔

قرآن وحدیث کا علم سب چیزوں سے مستغنی کردیتا ہے

"تذکرۃ الرشید" میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ جب دہلی میں پڑھتے تھے تو سستائی کا زمانہ تھا، اس وقت صرف دو پیسے میں ایک آدمی دونوں وقت پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھالیتا تھا، مگر آپ کی غربت کا یہ عالم تھا کہ اکثر فاقہ ہو جاتا تھا، کئی کئی وقت گذر جانے کے بعد جب کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو شام کے وقت بازار چلے جاتے جہاں سبزی فروش پتے توڑ توڑ کر پھینک دیتے تھے ان پتوں کو جمع کر کے اٹھالاتے اور نمک ڈال کر اسے اُبال کر کھالیتے اور اگر کسی وقت نمک نہ ہوتا تو ویسے ہی بلا نمک کے پتوں کو اُبال کر کھالیتے تھے، اور بسا اوقات کتابوں کے مطالعہ کے لئے آپ کے پاس چراغ

بھی نہ ہوتا تھا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

ایک روز شاہزادے کی سواری ادھر سے گذر رہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے چلے آرہے تھے مگر آپ کتاب کے مطالعہ میں ایسا مصروف تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے قریب جا کر ڈانٹ کر کہا کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شاہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ سے نہیں ہٹ رہے ہو، تو آپ نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شاہزادے، ابھی کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

دیکھا آپ نے علم کا وہ نشہ تھا کہ اسی میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہا کرتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ جس کو قرآن وحدیث کا علم مل جاتا ہے تو وہ سب سے مستغنی ہو جاتا ہے اسی علم کی قدر دانی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء آپ کے شاگرد ہوئے۔

علم نافع اور علم غیر نافع

علم بہت بڑی دولت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث شریف میں وارد ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر، اسی طرح دوسری حدیث میں وارد ہے

کہ "خیرکم من تعلم القرآن وعلمه" یعنی تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں، البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نصوص میں جس علم کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد کونسا علم ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ "العلم علمان علم في القلب فذاك العلم النافع وعلم على اللسان وذاك حجة الله على ابن آدم" (مشکوٰۃ) یعنی علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جو قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو محض زبان پر ہوتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو انسان پر اللہ کی حجت ہے، یعنی یہ علم غیر نافع ہے۔

حضور اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں "اللّٰهم انی اسئلك علماً نافعاً" اسی طرح علم غیر نافع سے آپ نے پناہ مانگی ہے پس معلوم ہوا کہ علم نافع مطلوب ہے اور غیر نافع مذموم ہے۔

علم کی حقیقت

اور آپ جانتے ہیں کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے قلب میں ڈال دیتے ہیں جس سے انہیں خیر و شر کی تمیز حاصل ہوتی ہے اور حقیقی علم اسی کو کہتے ہیں جس سے خیر و شر میں امتیاز حاصل

ہو، اور جو علم محض زبان پر ہوتا ہے اس کو علم رسمی کہا جاتا ہے جس کی کوئی وقعت اللہ ورسول کے نزدیک نہیں ہے، اسی بنا پر بزرگان دین علم رسمی کی مذمت فرماتے ہیں چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

علم رسمی سر بسر قیل است و قال　　نے از و کیفیتے حاصل نہ حال

رسمی علم محض قیل و قال ہے اس لئے کہ نہ تو اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال۔

پس اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ علم حقیقی حاصل ہو، اور اس کے حصول کے لئے کچھ آداب ہیں جب ان کا لحاظ کیا جائے گا تب وہ حاصل ہوگا ہمارے اکابر نے ان آداب کی رعایت فرمائی تو علم حقیقی سے مشرف ہوئے۔

حصول علم کے آداب

انہی آداب میں سے ایک بڑا ادب یہ بھی ہے کہ علم پر عمل کیا جائے، جب آدمی اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بہت سے علوم حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنی جانی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ جانی ہوئی بات کا علم اس کو عطا فرماتے ہیں لہٰذا سب سے زیادہ عمل کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا ادب واحترام کیا جائے اور ابتدا ہی سے تقویٰ اختیار کیا جائے، نور علم تقویٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور معصیت سے یہ نور بجھ جاتا ہے لہٰذا معصیت سے پرہیز کریں اور نور تقویٰ سے اپنے دلوں کو روشن کریں۔

امام شافعیؒ کو اپنے استاذ کی نصیحت

ایک دفعہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے عرض کیا کہ حضرت میرا قوت حافظہ کمزور ہے، تو استاذ نے ترک معصیت اور لزوم تقویٰ کی وصیت اور تاکید فرمائی اور فرمایا کہ یہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور عاصی اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

اس سے ان حضرات کے نزدیک تقویٰ کا کس قدر اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شاگردوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور شاگرد بھی اس کا اہتمام کرتے تھے تب اپنے وقت کے امام ہوئے، اب آج کل اس کا اہتمام باقی نہیں رہا اسی وجہ سے جو حالات ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں لہٰذا علم پر عمل کرنے کا خوب اہتمام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔

اساتذۂ کرام اور طلباء سے ایک گذارش

اساتذہ کو چاہئے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کریں اور طلباء کو بھی تقویٰ کے اہتمام کی تاکید کریں، اور تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کریں اور کچھ وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جا کر اس کی صحبت میں بیٹھیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ تھوڑا معمول ذکر اللہ کا بھی رکھیں۔

مشائخ نے اب اپنا معمول بدل دیا

ہمارے سلف اور متقدمین بزرگان دین کا یہ معمول تھا کہ زمانہ طالب علمی میں طلباء کو بیعت نہ فرماتے تھے تاکہ یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کریں ہاں

تحصیل علم کے بعد کسی صاحب نسبت بزرگ کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کراتے تھے اور ان کی نگرانی وتربیت میں سلوک طے کرتے تھے مگر وہ زمانہ خیر وبرکت کا تھا اس لئے علم دین کے طلباء ابتداہی سے عمل اور تقویٰ کا خیال رکھتے تھے اور طالب علمی کے زمانہ کو غفلت اور آزادی میں نہ گذارتے تھے مگر اب وہ حالات نہیں رہے، لوگوں پر عموماً غفلت چھائی ہوئی ہے، آزادی عام ہے اس لئے مشائخ نے بھی اس باب میں اپنا معمول اب بدل دیا ہے اور اسی زمانۂ طالب علمی ہی سے فکر اصلاح اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ فرماتے ہیں بلکہ ضروری قرار دیتے ہیں، لہٰذا اب ضروری ہے کہ ابتداہی سے کچھ ذکر وشغل بھی کریں اور کسی اللہ والے سے تعلق بھی پیدا کریں اور اس کی صحبت میں جاکر کچھ وقت ضرور گذاریں تاکہ ابھی سے نفس اس کا عادی بن جائے ورنہ اگر یہ زمانہ غفلت میں گذر جائے گا تو بعد میں نفس جلدی قابو میں نہ آوے گا۔

قلب کے اصلاح کی اشد ضرورت ھے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، اور وہ انسان کا دل ہے، اگر کسی کا دل درست ہو گیا اور دل واقعی دل بن گیا تو سمجھ لو کہ اس کے سارے اعضاء صالح ہو جائیں گے اور وہ شخص خدائے تعالیٰ کا فرماں بردار ہو جائے گا، اور اس کو ایسا حال نصیب ہو گا کہ اللہ کے ذکر ہی میں اس کو لذت ملے گی اور اتباع سنت کے بغیر اس کو چین نہ ملے گا، اور جب کسی کا

دل بگڑ جاتا ہے اور رذائل اس میں گھر کر لیتے ہیں تو سمجھ لو کہ فساد ہی فساد ہے، چنانچہ آج کل جتنے بھی فسادات رونما ہو رہے ہیں ان سب کا اصلی سبب قلب کا فساد ہے، اس لئے قلب کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے، اسی قلب اور نفس کی اصلاح نہ ہونے سے بد خلقی عام ہے، لہٰذا اگر دل کی اصلاح ہو جائے نفس کا تزکیہ ہو جائے تو سارا فساد ختم ہو جائے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد

انبیاء علیہم السلام دل بنانے اور نفس کو رذائل سے پاک کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے، چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کے دل کو ایسا پاک وصاف فرمادیا تھا جس کی نظیر قیامت تک نہ ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ کی رسالت کے بعد جو اہم امور آپ سے متعلق تھے ان

کے متعلق یہ فرمارہے ہیں کہ ﴿ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ﴾ یعنی جو اللہ کی آیات کو انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، جب اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو سننے والوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ مدتوں کا کفر اُن کے دلوں سے دور ہو جاتا تھا، اور کافر و مشرک اس قدر متأثر ہوتے تھے کہ سنتے ہی فوراً ایمان لے آتے تھے، اور قرآن کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا تھا، یہ تو آپ کے تلاوت کی تاثیر تھی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ اور وہ نبی لوگوں کے قلوب کو پاک کر دیتے ہیں یعنی باطن میں جو رذائل ہوتے ہیں جن سے دل مردہ اور تاریک ہو جاتا ہے اس کی نجاست اور گندگی کو دور فرمادیتے ہیں اور اپنی نگاہ کرم سے اس کا تزکیہ فرمادیتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں وہ تاثیر تھی کہ جس مومن پر آپ کی ایک نگاہ پڑ گئی اس کو ایسی پاکی حاصل ہوتی تھی کہ اب قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا غوث و قطب بھی آپ کے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پاسکتا، یہ تھا آپ کا تزکیہ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں ﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور وہ نبی ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، کتاب و حکمت کی تفسیر جو سلف و متقدمین سے منقول ہے وہی کرنی چاہئے جو لوگ من مانی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بناتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ "من قال فی القرآن برأیه فلیتبوّأ مقعده من النار" یعنی جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی

رائے سے کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آج کل لوگوں کا حال یہ ہے !!!

اس حدیث سے تفسیر بالرائے پر کس قدر وعید ہے، مگر آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ اِدھر اُدھر کی چند اردو کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے کو محقق سمجھنے لگتے ہیں اور قرآن و حدیث کا مطلب من مانی بیان کرنے لگتے ہیں، جس میں بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لئے قرآن کے معنی کو اور آیات کی تفسیر کو محققین سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اب دیکھئے کتاب وحکمت کی تفسیر میں محققین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا امت پر احسان عظیم

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو تعلیم فرمائی ہے وہ قرآن پاک ہے اور حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں ہیں، صحابۂ کرامؓ نے ہمارے لئے حضور اقدس ﷺ کی ہر ہر بات کو سن کر ایسے محفوظ طریقے پر پہنچایا ہے کہ آج ہمارے سامنے حضور اقدس ﷺ کی پوری زندگی کا نمونہ موجود ہے اور زندگی کے ہر باب میں آپ کی سنت محفوظ ہے، بلاشبہ صحابۂ کرامؓ کا امت پر یہ احسان عظیم ہے اگر یہ حضرات آپ کی ایک ایک سنت کو محفوظ نہ فرماتے تو ہم تک آپ کی سنتیں کیسے پہنچتیں، اب ان حضرات کی بدولت آج ہمارے سامنے جس طرح قرآن پاک موجود ہے اسی طرح حضور پاک ﷺ کی سنت بھی موجود ہے،

اور ہمارے تمام بزرگان دین کے نزدیک یہی دونوں اصل ہیں جن کا اتباع امت کے ہر فرد پر لازم ہے، اکابر امت نے سب سے زیادہ اتباع سنت کا اہتمام فرمایا اور اسی کا دوسروں کو امر فرماتے رہے ہیں، اور سب سے زیادہ زور اتباع سنت ہی پر دیتے ہیں، اور جس کسی کو جو مرتبہ بھی ملا ہے اسی اتباع سنت کی برکت سے ملا ہے، آج بھی اگر اتباع سنت کو اختیار کیا جائے اور حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کو لازم کر لیا جائے تو پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی رحمت نازل ہوتی ہے اور کس قدر فضل و کرم کی بارش ہوتی ہے۔

حصولِ علم کے متوالے

صحابہ کرامؓ میں یہ معمول تھا کہ اگر دو بھائی ہوتے تھے تو آپس میں یہ معاملہ طے کرتے تھے کہ ایک بھائی تو مزدوری کر کے معاش کا انتظام کرے اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھے اور پھر دوسرے کو بتلاوے، چنانچہ ایک تو جا کر یہودیوں کے باغ میں پانی چلاتا، یا اور کوئی کام کرتا تھا، اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں جاتا تھا اور دن بھر ساتھ رہتا اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے اس کو یاد کرتا تھا، پھر شام کو جو بھائی مزدوری کر کے لاتا تو اس میں سے آدھا خود لیتا اور آدھا اپنے بھائی کو دے دیتا، اور جو حضور ﷺ کی خدمت میں رہتا وہ اپنی یاد کی ہوئی حدیثیں اس کو سنا دیتا، اور جب دوسرا دن ہوتا تو دوسرا بھائی مزدوری کو جاتا اور پہلے دن والا حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر حدیثیں یاد کرتا تھا۔

اس طریقہ سے علم پھیلا ہے اور حدیث پاک کی اشاعت ہوئی ہے، دیکھئے صحابہ کرامؓ میں دین کے سیکھنے کا کس قدر شوق تھا اور کیسا اہتمام سنت کے سیکھنے کا کرتے تھے، پس ہم کو چاہئے کہ یہی شوق اپنے اندر پیدا کریں اور ذوق و شوق سے دین کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں جو کچھ سنیں اس پر عمل کریں اور صحیح معنوں میں ہم مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جائیں، اور نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔

تین چیزیں مطلوب ہیں

بھائی تین چیزیں شرعاً مطلوب ہیں، علم، عمل اور اخلاص، علم تو کتابوں سے آسکتا ہے اور کسی درجہ میں اس پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے مگر اخلاص جو اِن دونوں سے اہم ہے وہ تو بدون اہل اللہ کی صحبت کے حاصل ہونا ممکن نہیں، یہ تو انہی سے حاصل ہوگا اور اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت میں جانا ہوگا۔

حکیم الامتؒ کی حکیمانہ بات

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے لئے فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحصیل علم میں استعداد پیدا کرنے کی نیت کرے گا تو اس کو استعداد حاصل ہو جائے گی، لیکن علم سے جو اصل مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب وہ نہیں حاصل ہوگا، اور اگر یہ نیت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب علم کے ذریعہ حاصل کرے تو استعداد بھی ہو جائے گی اور رضا و قرب بھی ہوگا۔

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامتؒ نے کیسی وضاحت کے ساتھ ایک حقیقت

کو بیان فرمادیا، اس سے معلوم ہوا کہ طلباء کو علم حاصل کرنے میں یہ نیت کرنی چاہئے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب حاصل ہوگا، اور جب اس نیت سے علم دین کو حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور استعداد بھی پیدا ہو جائے گی، یقیناً یہی وہ علوم ہیں جو اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں اور حقیقی علم بھی واقعی انہی علماء کے حصہ میں آتا ہے جن کو اللہ والوں کی صحبت ملی ہے اسی بنا پر بزرگوں نے ہر زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت پر لوگوں کو ابھارا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے۔

ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے

سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ عجیب عنوان سے اس کی ترغیب دیتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر ذکر اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے اسی کے ضمن میں اپنی کتاب "البنیان المشید" میں تحریر فرماتے ہیں "بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ ذکر وصال حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہوتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا، مگر یاد رکھو! ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہ کر، یا تنہا خلوت میں رہ کر یہ دولت حاصل نہ ہوگی، ہم سے تعلق پیدا کرو، ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے، اے ہم سے محجوب رہنے والے!

تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں؟ بتا اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں، اور اخلاص ایک خطرناک راستہ کے پار کنارہ پر ہے اب بتلا تجھے عمل کے لئے کون اٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص حاصل ہو جانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟ (کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے؟ ہرگز نہیں!) جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ﴾ علیم وخبیر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے (کہ جس بات کا علم نہ ہو تو جاننے والوں سے معلوم کرو) تو اپنے آپ کو اہل ذکر میں سے سمجھتا ہے اگر تو ان میں سے ہوتا تو ان سے محجوب نہ ہوتا، اگر تو اہل ذکر میں سے ہوتا تو فکر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا (کیونکہ ذکر اللہ کے اثر سے دل پر فکر ضرور غالب ہوتا ہے اور فکر کے آثار ذاکر کی صورت سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کے ہر کام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کو کوئی بڑا فکر ہے) تجھ کو تیرے اس حجاب نے روکا کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے، تجھ کو تیرے دعویٰ علم نے تباہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں (اب بتلا جس علم سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے؟) اے محجوب! تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لئے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت

ہو گا، کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ ان لوگوں کے راستہ پر چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں"

سبحان اللہ! سید نا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں عجیب تاثیر محسوس ہوتی ہے جس مضمون کو بھی بیان فرماتے ہیں تو ایسا دل نشین انداز اختیار فرماتے ہیں کہ بات دل میں اتر جاتی ہے جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر ان کی کتاب سے مزید عبارات نقل کروں جو مناسب مقام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مؤثر اور مفید ہیں اس کو پڑھنے سے دل میں انشاء اللہ نور پیدا ہو گا، بڑی نورانی اور پُر تاثیر باتیں ہیں اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خبردار چھلنی کی طرح نہ ہوجانا !

چنانچہ اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو، احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، مفتی بن کر لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب کون؟

اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کے دل میں تمام مخلوقات کی شفقت و محبت پیدا کر دیتے ہیں اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے ہیں اور اس کے نفس میں بلند ہمتی اور چشم پوشی پیدا کر دیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگے اور کسی قابل نہ سمجھے۔

پس آج کل سب سے زیادہ قابل رشک وہ مومن ہے جو اپنے زمانہ کے حال سے واقف ہو، اور زبان کی حفاظت رکھے اور اپنے کام میں لگا رہے اور نیک بندوں کے اعمال اختیار کئے رہے"۔

ایک جگہ فرماتے ہیں :

اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا

"میں نے سید عبد الملک الحربونی قدس اللہ سرہ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے، فرمایا اے احمد! اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا (مقصود تک پہنچنا اسی کو نصیب ہوتا ہے جو سب طرف سے نگاہ ہٹا کر مقصود کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے) اور شک کرنے والا کامیاب نہیں ہوتا (کامیابی کا بڑا مدار یقین پر ہے کہ یہ سمجھ لے کہ میرا شیخ اللہ تک پہنچانے کا راستہ خوب جانتا

ہے اور مجھے پہنچا سکتا ہے، جس کو شیخ پر اعتماد نہیں وہ محروم ہی رہتا ہے) اور جس شخص کو اپنے اندر نقصان نہ معلوم ہوتا ہو اس کے تمام اوقات نقصان ہی میں گذر رہے ہیں، میں سال بھر تک شیخ کی اس وصیت کو دل اور زبان سے دہراتا رہا، اور جب میرے دل میں کوئی خیال یا وسوسہ آتا اس وصیت کو فوراً یاد کر لیتا تو وسوسہ دور ہو جاتا۔

عقل مند کے لئے جاہل ہونا اور ....

پھر میں دوسرے سال شیخ کی زیارت کو گیا اور جب کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ان سے رخصت ہونے لگا تو پھر وہی درخواست کی کہ حضرت مجھے کچھ وصیت کیجئے فرمایا اے احمد! طبیبوں کے لئے بیمار ہونا بہت برا ہے اور عقل مند کے لئے جاہل ہونا، اور دوستوں کے لئے بے مروت ہونا، یہ سن کر میں رخصت ہوا اور سال بھر تک اس وصیت کو دہراتا رہا مجھے حضرت شیخ کی ذات سے اور ان کی وصیتوں سے بہت نفع پہنچا"۔

سبحان اللہ! شیخ کی نصیحت کی کیسی قدر دانی فرمائی اور پھر اسکی برکت بھی کیسی ظاہر ہوئی واقعی اہل اللہ کا کلام زبردست تاثیر کا حامل ہوتا ہے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

جو اللہ کا مقرب ہوگا....

"عالم عارف، اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے مراقبہ کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی سیاست (پابندی اور قیود) رکھتا ہے، جب وہ بات کرنا چاہتا ہے تو

منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لیتا ہے، اگر اس میں کچھ بھلائی معلوم ہوتی ہے تو کہہ دیتا ہے ورنہ منہ کو بند ہی رکھتا ہے، کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ تیری زبان تیرا شیر ہے اگر تو اس کی حفاظت کرے گا تو وہ تیری حفاظت کرے گا اور اگر بے قید چھوڑ دے گا تو پھاڑ کھائے گا، عارف کا بولنا (دلوں کے) زنگ کو دور کرتا ہے اور اس کی خاموشی ہلاکت کو دفع کرتی ہے وہ ان لوگوں کو جو اہل ہیں نیک کاموں کا حکم کرتا ہے، برے کاموں سے اور ان کے پاس جانے سے روکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ یعنی ان کی بہت سی خفیہ باتوں میں کوئی بھلائی نہیں، ہاں جو صدقہ کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں باہم صلح کرا دینے کا امر کرے (اس کی باتیں بیشک اچھی ہیں اور عارف اپنے کلام میں ان باتوں کی پوری رعایت کرتا ہے) جو اللہ کو پہچان لے گا اس کا ادب اللہ کے ساتھ بڑھ جائے گا، جو اللہ کا مقرب ہو گا اس کے اندر خوف زیادہ ہو گا" انتہیٰ

بزرگان دین کے کلام میں جا بجا اہل اللہ اور عارفین کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب موجود ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اخبار الاخیار" کے مقدمہ میں یہ مضمون ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

فرماتے ہیں کہ :

افضل ترین عبادت

"افضل ترین عبادت اہل اللہ کی صحبت اور مقربان خدا کی ہم نشینی ہے،

اس لئے کہ ان حضرات کی استقامت اور ان کے ثبات واستقلال کو دیکھ کر سالکِ راہِ خدا کے اندر بھی ایک قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عبادت وریاضت کی مشقت کا برداشت کرنا جو کہ اس طریق پر چلنے کے لئے لازم ہے اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے بلکہ ان حضرات کے جمال کے مشاہدہ سے اس کے قلب میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شک وشبہات کی تاریکیاں اس کے قلب سے زائل ہو جاتی ہیں"

اسی طرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ اپنے رسالہ "ارشاد الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

کارخانۂ باطن کو خراب کردیتی ھے ....

گوشہ نشینی برے ہم نشین سے اچھی ہے اور نیک ہم نشیں گوشہ نشینی سے بہتر ہے، جاہلوں اور فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں، کارخانۂ باطن کو خراب کردیتی ہے، خصوصاً مبتدی صوفیوں کے حق میں، اور صاحبدلوں اور ولیوں کی ہم نشینی اور صحبت اللہ کے ذکر وعبادت سے بھی زیادہ مفید ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ "اِجلس بنا نؤمن ساعۃً" یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کرلیں"۔

اسی طرح آپ ہی کی مشہور کتاب "مالا بد منہ" کے حاشیہ پر ایک عبارت درج ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

اگر کسی شیخ کی صحبت میں نفع نہ ہو تو...

" جس جگہ ضرر کا احتمال ہو وہاں سے دور بھاگنا چاہئے اور جو شخص بظاہر متقی معلوم ہوتا ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وہاں ضرر کا احتمال تو بہر حال نہیں ہے خواہ اس سے فائدہ بھی پہنچے یا نہ پہنچے، پس اگر اس کی صحبت مؤثر ہو اور وہ تاثیر علماء ظاہر وباطن کے نزدیک معتبر بھی ہو تو ایسے شخص کی صحبت کو کبریت احمر یعنی اکسیر سمجھنا چاہئے اور بسا غنیمت شمار کرنا چاہئے اور اگر اس کی صحبت مؤثر نہ ہو، یا وہ تاثیر اکابر کے نزدیک معتبر نہ ہو تو اس شخص سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس کی صحبت کو ترک کر دینا چاہئے اور خدا کا راستہ کسی اور جگہ سے تلاش کرنا چاہئے کیونکہ مقصود حق تعالیٰ ہے نہ کہ وہ شخص"۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ بات تحریر فرمائی اور صحبت کی ترغیب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر کسی شیخ کی صحبت میں رہنے کے باوجود نفع نہ ہو تو خدا کا راستہ دوسری جگہ تلاش کرنا چاہئے نیز یہ بھی تاکید فرمادی کہ اس شیخ کے ساتھ ترک صحبت کی صورت میں بھی حسن ظن رکھے اور عدم فیض کو اپنے قصور استعداد کا نتیجہ سمجھے۔ اس کے بعد اس تاثیر کی تفصیل مذکور ہے جو اکابر کے نزدیک معتبر ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ :

ان کو دیکھ کر خدا یاد آجائے

"جس تاثیر کو اکابر نے معتبر قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان بزرگ کی صحبت

میں بیٹھنے سے ایک ایسا حال پیدا ہو جائے کہ دل دنیا سے سرد ہو جائے اور خدا اور دوستانِ خدا اور اعمالِ صالحہ سے محبت پیدا ہو جائے، نیز نیکیوں کی رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس سے بچنے کی توفیق ہو جائے، اور ان کی صحبت سے بمقتضائے حدیث "اذا راو ذکر الله" ان کو دیکھ کر خدا یاد آجائے، اور دائمی حضور نصیب ہو اور حق تعالیٰ کی یاد میں جمعیت اور طمانینت محسوس ہو، اور جس قدر اعمال صالحہ کرتا جائے تو اس نسبت میں جوان بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے قوت مشاہدہ کرے اور جب کبھی اس سے معصیت کا صدور ہو تو اس کی وجہ سے اس کا دل تنگ ہو اور اپنے اندر ایک بے کلی محسوس کرے اور اس نسبت وحالت میں جوان بزرگ سے اس کو حاصل ہوئی ہے کمی ہونے لگے، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اذا سرتك حسنتك وساء تك سيئتك فانت مؤمن" یعنی جب اپنی نیکیوں سے تم کو خوشی حاصل ہو اور اپنی برائیوں سے تم کو تکلیف پہنچے تو سمجھو کہ تم مومن ہو، اس حدیث میں اسی اطمینان اور تنگی کی طرف اشارہ ہے" انتہیٰ

اسی طرح حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں جابجا اہل اللہ کے صحبت کی اہمیت اور ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرمارہے ہیں کہ ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا　　گو نشیند در حضور اولیاء

یعنی جو شخص حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہو اس سے کہہ دو کہ

اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھے، نیز فرماتے ہیں۔

یک زمانے صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی　　چو بصاحبدل رسی گوہر شوی

یعنی تھوڑی دیر تمہارا اولیاء اللہ کے ساتھ بیٹھنا سو سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہوتا ہے، اگر تم سنگ خارہ یا سنگ مرمر یعنی ناقص بھی ہو گے تو جب صاحب دل کی صحبت میں پہنچ جاؤ گے تو گوہر بن جاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے فیض باطن سے جو کمالات ان کو حاصل ہیں وہ تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائیں گے اور تم کامل بن جاؤ گے، نیز فرماتے ہیں۔

ہیں غذائے دل بدہ از ہمدلے　　رو بجو اقبال را از مقبلے

دست زن در ذیل صاحب دولتے　　تا ز افضالش بیابی رفعتے

صحبت صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ ان اشعار کی شرح کرتے ہوئے "کلید مثنوی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی ہم تم کو متنبہ کرتے ہیں کہ دل کو اس کی غذا یعنی محبت و معرفت کسی ہم دل سے لے کر دینا چاہئے اور اقبال کو کسی صاحبِ اقبال سے لینا چاہئے اور کسی صاحب دولت یعنی صاحبِ باطن کا دامن ہاتھ میں لانا چاہئے تاکہ اس کی عنایت سے تم کو رفعت باطنی حاصل ہو جائے، کیونکہ صحبت ہی وہ تاثیر ہے کہ صالح کی صحبت تم کو صالح بنا دیتی ہے اسی طرح طالح (بد بخت) کی صحبت تم

کو طالح بنادیتی ہے۔

الغرض ہم کو چاہئے کہ علم دین صحیح نیت کے ساتھ حاصل کریں، اور ساتھ ہی عمل کا بھی اہتمام کریں اور تقویٰ اختیار کریں اور علم و عمل میں اخلاص پیدا کریں اور کسی اللہ والے کی صحبت میں بھی جا کر بیٹھا کریں، اسی برکت سے انشاء اللہ اخلاص نصیب ہوگا اور علم و عمل میں برکت حاصل ہوگی۔

اس وقت طبیعت بہت مضمحل تھی، بیان کرنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چند باتیں ذہن میں ڈال دیں تو عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اخلاص عطا فرمائے اور اپنے اکابر اور بزرگوں کے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

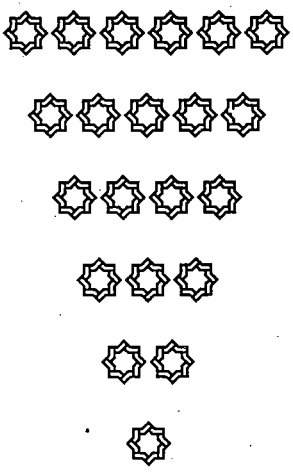

موت ایک پُل ہے

اقتباس

حدیث پاک میں ارشاد فرمایا نبیٔ کریم ﷺ نے کہ جو مجھ کو اللہ کا رسول مانتا ہے اور جس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کو چاہئے کہ موت کو محبوب رکھے۔ دیکھا آپ نے جس موت سے آج ہم لوگوں کو وحشت ہے اس کو نبیٔ کریم ﷺ اپنے چاہنے والوں کے حق میں مطلوب بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ موت حق تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے

" الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

موت ایک پل ہے جس پر چل کر بندہ اپنے اللہ سے ملے گا، اسی لئے بزرگوں نے اس کی تمنا فرمائی ہے۔

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ! نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ، أَمَّا بَعْدُ !

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾

(الٓمّٓ) بعضے مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اتنا کہنے میں چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور (ان کو انواع مصائب سے) آزمایا نہ جائے گا۔ (یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحانات بھی پیش آئیں گے)

حق تعالیٰ کی رسی ٹوٹ نہیں سکتی

ابھی آپ کے سامنے جس آیت کریمہ کی تلاوت کی ہے یہ قرآن پاک

کی ایک مبارک و مقدس آیت ہے، قرآن مجید، فرقان حمید، اللہ تبارک و تعالیٰ کا مقدس کلام ہے اس کی تلاوت سے روح کو فرحت و مسرت اور قلب کو عجیب لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، اگر قرآن پاک کو تدبر اور تفکر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و وصال کا ذریعہ ہے، خود اللہ جل شانہ نے اپنے کلام کا یوں تعارف کرایا ہے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً﴾ اور رسول اللہ ﷺ کلام اللہ کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں "هو حبل الله المتين" یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، اور جب یہ اللہ کی رسی ہے تو پھر اس کے ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں، ہاں! البتہ اگر کوئی اسے چھوڑنا ہی چاہے تو پھر چھوٹ تو سکتی ہے مگر یہ خدا کی رسی ٹوٹ نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے مستحق کون؟

اب جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا مفہوم سنئے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "کیا یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ صرف اتنا کہنے سے کہ ہم ایمان لائے چھوٹ جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی" تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آزمائش سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا اس لئے کہ جب بندہ اٰمَنَّا کہتا ہے یعنی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم ایمان لائے تو اس پر دلیل کا مطالبہ ہونا ضروری ہے کیونکہ جب معمولی چیزوں پر دلیل کا مطالبہ ہوا کرتا ہے تو کیا ایمان جیسی اہم چیز کے دعویٰ پر اللہ کی طرف سے اس کا امتحان نہ ہوگا؟ اس کی آزمائش نہ ہوگی؟

کیا وہ یوں ہی مفت سفت چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر نہایت واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصانوں سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو مصیبت تو کہیں ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر ابتلاء و آزمائش کی کیفیات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طرح آزماتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ اس ابتلاء و آزمائش میں کامیاب ہونے والوں کو کیسی کیسی بشارت سنائی جاتی ہے۔

آپ بلاو مصیبت میں صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جن کا یہ حال ہوتا ہے کہ بوقت مصیبت بجائے حرف شکایت کے زبان سے وہ کہتے ہیں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور انجام کار اسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے، ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ بطور صلہ کے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہی

صابرین بندے ہمارے خصوصی اور عمومی دونوں رحمتوں کے مورد ہیں اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد صدمات سے چور اور رنج و غم سے شکستہ دلوں کے لئے انتہائی تسلی بخش اور ان کے ہموم و غموم کو کافور کر دینے والا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ہر کجا دردے، دوا آں جا رود　　ہر کجا پستی است آب آں جا رود

صبر کرنے والوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ان کے زخم کا مرہم ہے اور ان کے دل کی دوا ہے دنیا کیا چیز ہے یہ چند روزہ خواب و خیال ہے اس کے آگے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا ہمارے لئے بنائی ہے اور ہم سب لوگ آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں حدیث شریف میں وارد ہے " اِن الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ" کافروں کے لئے محض دنیا کی زندگی اور یہاں کے تمام باغ و بہار ہیں اور ایک کلمہ گو مومن کے لئے تو یہ قید خانہ ہے۔

موت کو محبوب رکھنے والے

حدیث شریف میں ہے " الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر" جنت کا عیش اور جنت کی راحت اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے مہیّا فرمایا ہے اگر اس پر ایمان اور یقین پیدا ہو جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ اس کا دل دنیا میں نہ لگے، سنئے! حدیث پاک میں ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ جو مجھ کو اللہ کا

رسول مانتا ہے اور جس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کو چاہئے کہ موت کو محبوب رکھے۔

موت ایک پل ھے....

دیکھا آپ نے جس موت سے آج ہم لوگوں کو وحشت ہے اس کو نبی کریم ﷺ اپنے چاہنے والوں کے حق میں مطلوب بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ موت حق تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے " الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" موت ایک پل ہے جس پر چل کر بندہ اپنے اللہ سے ملے گا، اسی لئے بزرگوں نے اس کی تمنا فرمائی ہے۔

فرشتے اپنے مقام سے ترقی نھیں کر سکتے

سنئے! انسان کو دنیا میں اسی لئے بھیجا ہی گیا ہے کہ اس کی آزمائش ہو، کیونکہ روح مجرد ترقی نہیں کر سکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم عطا فرمایا اور اس کے اندر خواہشات پیدا کیں، پھر دنیا میں بھیجا اور احکام کا مکلّف بنایا تاکہ مطیع و عاصی کا فرق ظاہر ہو، یہ دنیا سراسر ابتلا و آزمائش کی جگہ ہے، فرشتے اپنے مقام سے آگے ترقی نہیں کر سکتے آسمان پر وہ صرف تسبیح و تقدیس کرتے ہیں یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں بیان فرمایا ہے ﴿ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾

مومنین کے لئے فرشتوں کا استغفار

اس آیت میں ذرا غور کرو یعنی عرش عظیم کے اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے بیشمار فرشتے جن کی غذا صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہے اور جو مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں، اس عزت افزائی اور شرف کا کیا ٹھکانہ ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہوگئیں ملائکہ کروبین ان کے لئے بارگاہ احدیت میں معافی چاہتے ہیں یہ ہم لوگوں کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے کتنی بڑی نعمت ہے اور کتنی بزرگی اور کتنے شرف کی بات ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ منصب سے آگے ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک نوری مخلوق ہیں ان کے اندر نہ کوئی خواہش ہے اور نہ بشری تقاضے ہیں اور نہ ان کے آل اولاد، بیوی بچے ہیں نہ ان کے لئے فقر و فاقہ ہے نہ ان کے لئے بیماری و آزاری ہے ان لوگوں کو اس کی کچھ بھی فکر نہیں ہے وہ لوگ ان سب لوازم بشریت سے بالکل بری اور فارغ ہیں اور نہ ان کو اس کا سوال ہے کہ اولاد مرے، بیوی مرے، کسی عزیز قریب کا انتقال ہو تو غم و صدمہ اٹھائیں، اور انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے اس کے ساتھ یہ سب لوازم بشریت ہیں اور مومن اس دار دنیا میں اسی سے ترقی کرتا ہے اس کا عجیب معاملہ ہے وہ ہر آن ترقی کرتا ہے اور اللہ کا قرب ہر وقت اس کو حاصل ہوتا رہتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے

بندہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بہت سے دروازے اور بہت سے راستے ہیں کبھی بندہ صبر کے راستے ترقی کرتا ہے اور کبھی شکر کے راستے سے ترقی کرتا ہے اور کبھی بیماری کے راستے سے اللہ تک پہنچتا ہے اور کبھی موت کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور کبھی تکلیف و مصیبت کے راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور کبھی عیش و آرام کے راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے بشرطیکہ اس کے قلب کے اندر ایمان ہو اور وہ یقین کرے کہ یہ چیزیں اور سارے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور موافق حالات پر شکر کرے اور ناموافق حالات پر صبر کرے اور عند اللہ اس کو موجب اجر و ثواب سمجھے اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی جگہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت اور خمیر ہی میں محنت و مشقت ڈال دی ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ﴾ یعنی انسان کو ہم نے مشقت میں پیدا کیا۔

حصہ بقدر جثہ

تو پھر اس دنیا میں بلا و مشقت سے کس کو مفر ہو سکتا ہے اور یہ ابتلاء بقدر تقرب بڑھتا جاتا ہے جس کا مرتبہ عند اللہ جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر ابتلا بھی زیادہ ہوتا ہے چنانچہ سب سے زیادہ برگزیدہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہی سب سے زیادہ آزمائش اور بلا سے دوچار ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ " اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم

الامثل فالامثل" سب سے سخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہے ان کے بعد صالحین کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں سے جس قدر مشابہت رکھتے ہوں اور ان کی چال چلتے ہوں۔

پس جس قدر کوئی شخص دین میں سخت اور مضبوط ہوگا اسی قدر اس کا امتحان بھی سخت ہوگا، نیز اسی لحاظ سے اس کا درجہ بھی ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اہل ایمان پر کس قدر رحمت وعنایت ہے کہ آزمائش کے ذریعہ اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں اور اس کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں مومن کو ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے اور اس سے اس کو اذیت وتکلیف پہنچتی ہے اسکے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور آخرت میں اس کے درجات کی بلندی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے حدیث پاک میں آتا ہے جب قیامت کے دن صابرین کو ان کے صبر کے بدلہ میں درجات ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کو قرب حاصل ہوگا تو وہ اس کی تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں میرا بدن مقراض (قینچی) سے کاٹا جاتا اور میرے درجات بلند ہو جاتے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ﴾ اے میرے بندو! ہم تم کو دنیا میں آزمائیں گے اور یہاں کھرے کھوٹے کو پرکھیں گے تمہاری آزمائش جانی ومالی دونوں طرح ہوگی اور ہم ہر طرح تم کو ٹٹولیں گے، تمہارے صدق اور کذب کو تم ایمان کے دعویٰ میں صادق ہو کہ کاذب اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کس قدر دل کش انداز میں ارشاد فرمارہے ہیں

﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ یعنی صبر کرنے والوں کو آپ خوشخبری سنادیں اس امتحان کے ذریعہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، دوستو! یہ دنیا کی زندگی ہم سے اور آپ سے چھوٹ جانے والی ہے، فنا ہونے والی اور مٹ جانے والی زندگی ہے۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ ﴾ اللہ کے سوا ہر شئے فنا ہو جانے والی ہے پس آخرت اور جنت کی زندگی دائمی زندگی ہے۔

کمال کے منافی نہیں

﴿وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴾ یعنی آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے آل اولاد کی محبت اور ان کے تکلیف و موت سے والدین کو تاثر یہ فطری اور طبعی چیز ہے، آپ نے نہیں سنا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم کا وصال جب ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا "انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون" یعنی اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق کی وجہ سے غمگین ہیں، تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اس کا حق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محزون و مغموم ہونا یہ کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں ہے، جناب رسول اللہ ﷺ تو ہر طرح کامل و اکمل تھے آپ کی ذات والا صفات

سے غم کا ظہور اس بات کی دلیل ہے کہ موت و مصیبت پر غم کا اظہار مومن کے ایمان اور اس کمال کے منافی نہیں ہے۔

کامل الحال اور ناقص الحال کون ؟

ہمارے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بزرگان دین مختلف المزاج ہوئے ہیں، ایک بزرگ پر صاحب زادے کے انتقال پر گریہ طاری ہو گیا اور ایک بزرگ اپنے صاحب زادے کے انتقال پر ملال پر ہنس پڑے، یہ حال کا تفاوت ہے، اگر نام نہ لیا جائے تو آپ ہنسنے والے بزرگ کو کامل الحال اور رونے والے بزرگ کو ناقص الحال کہیں گے لیکن ایسا نہیں ہے جس کا حال جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے حال کے موافق ہو گیا وہی کامل الحال ہے، اگر جدائی پر صدمہ نہ ہو تو پھر اجر کیسے ملے گا اور اجر بندے ہی کو ملے گا نہ کہ دیوار کو، آپ جانتے ہیں کہ صبر کس چیز کا نام ہے ؟ قضا و قدر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر بندے کو راضی ہو جانا یہی صبر ہے، حضرت مولانا کی خدمت میں میں حاضر ہوں میں مولانا سے کیا کہہ سکتا ہوں وہ تو خود استقامت اور صبر کے پہاڑ ہیں اسی لئے میں اس انداز سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دوستو! یہ دنیا جب فانی ہے تو ہم سب کو اس کی کوشش کرنا ہے کہ ہم سب لوگ آخرت اور جنت میں جمع ہوں اور وہاں سب سے ملاقات ہو یہ دنیا تو ایک دوسرے سے جدائی کی جگہ ہے اصلی اور ابدی زندگی تو آخرت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے ساتھ اپنی معیت کو بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی معیت یہ کوئی معمولی شئی نہیں ہے، صابرین کا اس میں بہت بڑا درجہ مذکور ہے، یہ ایک اصولی بات ہے کہ آلام ومصائب پر جب بڑے صبر کرتے ہیں تو ان کا دیکھا دیکھی چھوٹے بھی صبر کرتے ہیں۔

میرے دل کی آواز

حضرت مولانا کی ذات کو اللہ تعالیٰ تادیر سلامت رکھے، میں بے تکلف کہتا ہوں اور یہ میرے دل کی آواز ہے کہ ہندوستان میں مولانا کی ذات ایک عجیب وغریب ذات ہے، اس ذات کی قدردانی کرنی چاہئے اگر آدمی کو فقر وفاقہ نہ پہنچے، اس کو کوئی تکلیف لاحق نہ ہو اور اس کے اعزا و اقرباء، اولاد و احباء کو موت نہ آوے تو آدمی صبر کس چیز پر کرے گا اور اس کو صبر کا مقام کیسے حاصل ہوگا اور وہ صابر کیسے کہلایا جائے گا اور اگر نعمتوں کے ملنے پر شکر نہ کرے تو شاکر کیسے بنے گا، یہ صبر و شکر کا مقام انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے ان کے بعد اولیاء کرام کا ہے، اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام صبر و شکر نہ کرتے تو ان کے متبعین کو صبر اور شکر کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا، سب لوگوں

نے انہیں حضرات سے صبر و شکر کا طریقہ سیکھا۔

شریعت میں نہ افراط ہے نہ تفریط

شریعت کا نظام مکمل اور ایک معقول نظام ہے اس کے اندر نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے، کمال کا مقام یہی ہے کہ اس کے اندر نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ہم نے تم کو ایک امت وسط یعنی معتدل بنایا ہے لہٰذا اعتدال اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

ایک مرتبہ گھر کے اندر جناب نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے چراغ گل ہو گیا آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہ! کیا اس پر بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! ہر وہ چیز جو خلافِ مزاج اور تکلیف دہ ہو اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھنے سے اجر و ثواب ملتا ہے، اللہ تو خالق ہے مالک ہے رحیم و کریم اور رؤوف بالعباد ہے اس سے بڑھ کر کون بندوں پر رحم و کرم کرنے والا مشفق و مہربان ہوگا؟ اس کا کوئی معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلا خلاف شفقت ہو سکتا ہے؟ بزرگوں نے فرمایا کہ وہ کھلائیں تو کھائیں اور وہ ہنسائیں تو ہنسیں اور وہ رلائیں تو روئیں اور وہ بیٹھائیں تو بیٹھیں، سب کچھ انہیں کی طرف سے ہوتا ہے وہ متصرف ہے اپنی ملک کے

اندر جس طرح چاہے وہ تصرف کرے اسے اختیار ہے۔

وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم ....

مومن کی زندگی ایک عجیب زندگی ہے وہ کھاتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے اور اہل وعیال بھی رکھتا ہے، اور اس کو تکلیف اور مصیبت بھی پہنچتی ہے مگر اس کی کیفیت کو کفار اور فساق کیا پاسکتے ہیں؟ ان کو تو یہ باتیں سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں ایک فرماں بردار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکادینے والے کی جو زندگی ہے اس کو ہم لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں اہل اللہ کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

دوست کی جانب سے جو پہنچے بلا　　وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم

ہمارے لخت جگر اشرف میاں کے بارے میں (اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجہ عطا فرماوے) میرا قلب گواہی دیتا ہے کہ وہ ایک صالح نوجوان تھے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نسبت رکھنے والے تھے بیماری میں اتنے صبر کے ساتھ رہے کہ زبان پر اُف بھی نہ لائے۔

آپ لوگوں سے میں اس کو بیان نہیں کرسکتا کہ ان کی خبر موت کے سننے کے بعد میرے قلب کی کیا کیفیت ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، بطور تعزیت کے اس وقت میں بھی وہی کہہ رہا ہوں جو تعزیت کے طور پر ایک بدوی نے عجیب انداز میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وصال پر ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا

اِصبر نکن بك صابرین فانما　　صبر الرعیة بعد صبر الراس

اپنے والد محترم کی وفات پر آپ صبر کیجئے تو پھر آپ کی وجہ سے ہم لوگ بھی صبر کر سکیں گے اس لئے کہ چھوٹے اپنے بڑوں کی اقتدا میں صبر کرتے ہیں ۔

خیر من العباس اجرك بعده　　والله خیر منك للعباس

یعنی حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد آپ کو ان سے بہتر اجر و ثواب مل گیا اور حضرت عباسؓ کو آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی نعمت میسر ہو گئی۔

اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے

بندے کے حق میں اس کے صبر پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ کوئی معمولی چیز ہے؟ اس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی اس کے ذریعہ ترقی کرتا جاتا ہے، یہ مومنانہ حال اور صبر کی عظیم دولت اللہ والوں کی صحبت اور ان کے ساتھ تعلق سے حاصل ہوتا ہے۔

صحبت صالحین کی برکت

مولانا محمد علی جوہرؔ جن کی شخصیت مشہور ہے وہ گریجویٹ تھے لیکن ان کے قلب کے اندر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے ایسی تبدیلی آگئی تھی جو بہتوں کے لئے قابل رشک ہے، ان کی ایک لڑکی تھی جو مدقوق تھی جب مولانا محمد علی صاحبؒ جیل کے اندر تھے تو گھر کے لوگوں نے مولانا کے پاس اطلاع کرائی کہ بچی کی حالت نازک ہے انہوں نے اس کے جواب میں جو خط

لکھا اس میں دو شعر بھی لکھے تھے اس سے ان کی تفویض و رضا کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سرائے میر کے جلسہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور میں بھی تھا اور بہت سے علماء جمع تھے مدرسہ کا جلسہ تھا، حضرت مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت نے مجھ سے بیان کی فرمائش کی، میں نے وہاں اس واقعہ کو بھی ذکر کیا اور میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کا مولانا پر اتنا اثر ہوا کہ مولانا رو رہے تھے اور دیگر حاضرین کے بھی آنکھوں سے آنسو رواں تھے انہوں نے جو لکھا وہ سننے کے لائق ہے اور ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے، سنئے۔

ہم ہیں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
آمنہ جو بھی شفا پائے تو کچھ دور نہیں

بندہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور محض ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، بندہ کا وظیفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تضرع وزاری اور اپنی عاجزی پیش کرے۔

بزرگوں کا مذاق الگ الگ رہا ہے، بعض بزرگان دین دعا نہیں کرتے تھے خاموش رہتے تھے اور اللہ کی مرضی پر راضی رہتے تھے، ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے، مگر دنیا دار الاسباب ہے یہاں سبب اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ دوا کرنا سنت ہے اس کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ

سے دعا بھی کرے اسی بنا پر اکابر اولیاء اللہ کا معمول دعا کرنے کا تھا، یہاں تک کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، دعا کے اندر اپنے عجز اور عبدیت کا اظہار ہے اور جس قدر عجز اور عبدیت کا اظہار ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے قرب میں اضافہ ہوگا، یہی مومن کی معراج ہے اسی کو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے ہم تو مجبور ہیں لیکن اگر وہ شفادیں تو ان کی رحمت سے کچھ دور اور بعید نہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ؎

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

یہ مقام تسلیم و رضا ہے جو مقام ولایت اور مقام قرب ہے، ایمان کسی کا اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ پر راضی نہ ہو، اور تیسرا شعر جو لکھا ہے اس کے اندر کیا بات فرمائی ہے سبحان اللہ! سبحان اللہ! عجیب بات کہی ہے اس کے اندر دونوں کا حق ادا کیا ہے، حق تعالیٰ کا بھی اور اس بیمار بچی کا بھی، فرماتے ہیں ؎

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

یعنی تمہاری صحت اور اس مرض سے شفایابی ہم کو منظور ہے لیکن ہماری مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے لہٰذا اگر اس کو منظور نہیں ہے تو پھر مجھ کو

بھی منظور نہیں۔

دیکھا آپ نے کیسی بات فرمائی یہ اہل اللہ کی صحبت کا فیض اور ان کی توجہ کا کرشمہ ہے ان کو حضرت شیخ الہند قدس سرہ جیسے اکابر اولیاء اللہ سے شرف صحبت حاصل تھا۔

غوث پاکؒ کا ارشاد گرامی

حضرت غوث پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا بس اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

حضرت مولانا کے بارے میں کیا عرض کروں، مولانا صبر واستقامت کے پہاڑ ہیں ہم لوگ سیکھنے کے لئے آتے ہیں، ہم لوگوں کو یہاں آکر سیکھنا چاہئے، مولانا کے حال کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے اور مولانا کی استقامت اور بلند حوصلگی قابل غبطہ ہے۔

حسد اور رشک میں فرق

ایک حسد ہوتا ہے اور ایک رشک وغبطہ ہوتا ہے، حسد تو جائز نہیں ہے لیکن غبطہ جائز ہے کسی کی نعمت کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی وہ نعمت عطا فرمادیں یہ غبطہ ورشک کہلاتا ہے جو جائز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس فکر میں رہا کرتے تھے کہ کسی طرح ہم صدیق اکبرؓ سے بڑھ جائیں چنانچہ غزوۂ

تبوک کے موقع پر سامان جنگ فراہم کرنے کے لئے جب حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چندہ طلب فرمایا، اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس مال تھا، آپ نے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ آج حضرت صدیق اکبرؓ سے بڑھنے کا موقع اچھا ہے، چنانچہ فاروق اعظمؓ نے اپنے گھر کے سارے سامان کو نصف نصف کیا حتیٰ کہ جھاڑو کو بھی نصف کیا اور لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دیا، حضور ﷺ نے استفسار کیا اے عمرؓ! کیا لائے ہو، انہوں نے کہا کہ گھر کا آدھا سامان پیش خدمت ہے اور آدھا گھر چھوڑ کر آیا ہوں، اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ پیش ہوئے، اس حال میں کہ بدن پر بوسیدہ کمبل اوڑھے ہیں اور ستر پوشی کے لئے کانٹے لگائے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے استفسار فرمایا کہ اے ابو بکر! تم کیا لائے ہو، انہوں نے فرمایا کہ گھر میں جو کچھ تھا وہ سب لایا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابو بکر پر کوئی فرد امت نہیں بڑھ سکتا۔

نبوت کے بعد صدیقیت کا درجہ

دیکھا آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی، وہ صدیقیت کے مقام پر فائز تھے جس کا درجہ نبوت کے بعد ہے، صدیق قدم نبوت پر ہوتا ہے، اسی کا کرشمہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے موقع پر تمام صحابہؓ کے سراسیمگی اور بدحواسی کا کیا عالم تھا کوئی رو رہا ہے اور کوئی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے خاموش کھڑا ہے، حضرت عمرؓ جیسا

مضبوط دل انسان بھی اس واقعہ کی تاب نہ لا سکا اور از خود رفتہ ہو کر برہنہ تلوار لئے اعلان کر رہے تھے کو جو شخص کہے گا کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا، وصال کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ موجود نہ تھے آپ مقام سنح پر اپنے مکان تشریف لے گئے تھے، خبر ملنے پر تشریف لائے، چہرۂ انور سے چادر ہٹا کر زیارت فرمائی اور باہر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر! بیٹھ جاؤ، اور خود منبر پر تشریف لے جا کر تمام صحابہ کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا :

من كان يعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لايموت ۞ ومامحمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقيبيه فلن يضر الله شيئاً وسيجزى الله الشكرين ۞

یعنی جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو گئی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یقین کر لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور محمدؐ تو رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جاوے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا، اور خدا تعالیٰ جلدی ہی عوض دے کا حق شناس لوگوں کو"۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے ذریعہ سے تمام صحابۂ کرامؓ میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کا اعلان فرمایا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت صدیق اکبرؓ کی تلاوت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی ہے، حضرت صدیق اکبرؓ کو کیا حضور ﷺ سے تعلق اور محبت نہیں تھی؟ ان کو سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ سے محبت اور تعلق تھا اور وہ رقیق القلب بھی تھے لیکن چونکہ آپ حضور ﷺ کے خلیفہ اول تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت حق نیابت ادا کرنے کے لئے ایسی قوت اور ہمت عطا فرمائی کہ ایسے مزلۃ الاقدام اور نازک وقت میں صبر واستقامت کے پہاڑ بن گئے اور سارا غم اپنے قلب میں رکھ کر تمام صحابہ کو سنبھال لیا۔

جو حضرات مقام نیابت پر فائز ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے یہ اللہ والے نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں ان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور نسبت ہوتی ہے کوئی دوسرا ان کے قلب کی کیفیت اور حالت کو سمجھ نہیں سکتا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا تعلق اور کیسا معاملہ ہے۔

دنیاوی زندگی کو ہم لوگوں نے اصل سمجھ رکھا ہے اور آخرت کی زندگی جو اصلی ودائمی زندگی ہے اس کو فراموش کر رکھا ہے اسی لئے فراق وجدائی پر ہم لوگ بیقرار ہو جاتے ہیں اسی کے پیش نظر حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک مستقل کتاب شوق وطن تصنیف فرمائی ہے، اس کا مطالعہ بے حد نافع اور مفید ہے اور موجب تسکین وتسلی بھی ہے۔

بھائی یہ دنیا تو چند روزہ زندگی ہے حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل'' یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم مسافر ہو یا راستہ گذرنے والے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا ایک مسافرت اور چل چلاؤ والی زندگی ہے، مومن دنیا میں ہمہ وقت آخرت کو یاد رکھتا ہے، اور وہاں کی چیزوں کو پیش نظر رکھتا ہے، حدیث میں ہے کہ جو آدمی دن میں ستر بار موت کو یاد کرے وہ صابرین میں لکھ لیا جاتا ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ موت کو یاد کرتے رہیں اور آخرت کی تیاری میں لگیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجاوے۔

میں چار ماہ سے شدید ضعف اور بیماری سے دوچار ہوں اٹھنے بیٹھنے اور نماز وغیرہ پڑھنے سے معذوری تھی یہاں پہنچنے کے لئے پنجاب میل کا ٹکٹ لیا، اپنی حالت دیکھ کر میں یہ سمجھتا تھا کہ میں یہاں پہنچ نہ پاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کہ یا اللہ! مجھے مولانا تک پہنچادے، اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی اور مجھے مولانا کی خدمت میں پہنچادیا، بحمد اللہ یہاں پہنچ کر آج میری طبیعت اچھی ہے، سفر وغیرہ سے دل بھی متأثر نہیں ہوا، حضرت مولانا اور ان کے متعلقین سے جو تعلق اور محبت ہے اس کو میں بیان نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

ایک محبت ایسی بھی ہو .....

دنیا میں انسان کے بہت سے تعلقات ہیں، ماں باپ، بھائی بہن، اولاد ان

سب سے محبت ہوتی ہے مگر ان سب سے بڑھ کر ایک محبت اور بھی ہے جو محض اللہ کے لئے ہو جس کو حدیثوں میں حب فی اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ محبت شرعاً مطلوب ہے، لہٰذا آدمی سب سے محبت رکھے کچھ حرج نہیں مگر ایک محبت ایسی بھی رکھے جس میں کوئی غرض شامل نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لئے ہو اور یہی محبت آخرت میں کام آوے گی، میدان قیامت میں جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا اور آفتاب سب کے سروں پر ایک بالشت کے برابر اونچا ہوگا جس کو آج ہم لوگ بھولے ہوئے ہیں اور سب لوگ پسینوں کے اندر غرق ہوں گے اور اس دن سوائے اللہ تعالیٰ کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا تو ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والا ہوگا وہ خاص اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوگا اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سب محبتوں کے ساتھ ایک ایسی محبت بھی رکھے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے۔

عالم ربانی کا مقام

عالم ربانی کا مرتبہ کیا پوچھنا! اس کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے کیڑے مکوڑے رحمت کی دعا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ متبع سنت ہیں اور دین کی خدمت میں لگے ہیں جب ان کے حق میں سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے کیڑے مکوڑے دعا کرتے ہیں تو ہم کو بھی ان کے حق میں دعا کرنی چاہئے کہ اس کا دینی فیض جاری رہے۔

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کا قرآن کریم سے شغف

بھائی! یہ دنیا چند روزہ ہے یہاں کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے اگر آدمی قرآن شریف ذوق شوق کے ساتھ اور خوب دل لگا کر پڑھے تو مست ہو جائے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور حوران بہشت میرے پاس آئیں گی تو میں کہوں گا کہ بی بیو! بیٹھ جاؤ میں قرآن پڑھوں اور تم سنو، جو مزہ قرآن کے اندر ہے وہ کسی چیز کے اندر نہیں ہے، ہم لوگوں کی یہ کیا کم محرومی ہے کہ ہم لوگوں سے دعا اور مناجات کی لذت چھین لی گئی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے روتا ہے، گڑگڑاتا ہے، اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے اس سے دعا اور سوال کرتا ہے تو اس کو ایک لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے، آج کس قدر محرومی ہے کہ ہم لوگ اس دولت سے محروم ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب فرشتے کسی بچے کی روح نکالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بطور مباہات فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو میں نے اس کا پھل توڑ لیا مگر یہ بندہ میری قضا پر راضی ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ اور البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور

بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال واولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔

اب اللہ تعالیٰ سے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائیں اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں اور اشرف میاں کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرماویں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے کام میں لگائیں خود بھی دین پر عمل کریں اور اپنے متعلقین کو بھی دین کے کام میں لگائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو قبول فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

حضرت غوث پاکؒ ارشاد فرماتے ہیں
کہ ایمان والا دل چون وچرا نہیں جانتا
بس اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہتا
ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آیا۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیش نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

عارف باللہ حضرت پرتا پگڈھیؒ

مدرسے
دینی قلعے

اقتباس

بھئی یہ مدرسے دینی قلعے ہیں، دین کی حفاظت ان سے ہوتی ہے، علم حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے اس لئے طلبہ کو چاہئے کہ علم حاصل کریں اور نیت بھی درست کریں، کیونکہ نیت کی درستگی بنیادی چیز ہے اور نیت کی درستگی یہ ہے کہ ہم اسلئے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، اور جب علم حاصل ہو جائے تو عمل کرنے کی کوشش پورے طریقہ سے کرنی چاہئے۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی قدس سرہ کا یہ بیان مدرسہ بیت المعارف میں سالانہ امتحان کے نتائج کے موقع پر ہوا، جسے مولوی عبداللہ ابن حضرت مولانا محمد قمرالزمان صاحب نے کیسیٹ سے نقل کر کے مرتب فرمایا۔ جس میں حضرتؒ نے دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں دین کے قلعوں سے تعبیر فرمایا، نیز طلباء کرام کو حصول علم کے ساتھ ساتھ عمل و اخلاص کی ترغیب و تشویق دلائی، حق جل مجدہ ہمیں ان اوصاف سے متصف فرمائیں۔ آمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ،صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تین چیزیں ہیں، علم، عمل اور اخلاص، علم بہت بڑی نعمت ہے۔

اب تو طلبہ کو ہر طرح کی آسانی ہے، کھانے کی، پینے کی اور رہنے کی، پہلے زمانے میں جو لوگ علم حاصل کرتے تھے ان کا کیا حال ہوتا تھا، ایک بزرگ اپنے وطن سے آئے تھے، ان کے پاس کچھ تھوڑی سی رقم تھی اسی پر گذر کرتے تھے، جب وہ رقم ختم ہو گئی تو پھر ان کا کیا حال ہوا؟ سنئے! کھانے کی دوکان پر آتے تھے اور کھانے کی خوشبو سونگھ کر لوٹ جاتے تھے، مگر کسی سے سوال

نہیں کرتے تھے فاقے پر فاقہ کرتے تھے اور علم حاصل کرتے تھے تو اس زمانہ میں جو مدینہ شریف کے امیر تھے ان کو حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا کہ ہمارا ایک مہمان یہاں دین کا علم سیکھنے کے لئے آیا ہے فاقے پر فاقہ کر رہا ہے اس کی خبر لو اور مدد کرو، چنانچہ وہ امیر ایک کثیر رقم لے کر اس طالب علم کی خدمت میں پہنچے اور ان کو پیش کیا مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو امیر صاحب نے کہا کہ میں خود سے نہیں لایا ہوں بلکہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی اس لئے لایا ہوں، سنئے! پہلے طلبہ فاقے پر فاقہ کرتے تھے، ان کے کپڑے بھی پھٹے پرانے ہوتے تھے مگر علم حاصل کرتے تھے اور بڑے سے بڑے عالم ہوتے تھے۔

بزرگوں نے فرمایا علم ایک نور ہے جس سے صاحب علم کو خیر و شر کی تمیز ہو جاتی ہے اور نفس و شیطان کے مکائد سے واقف ہو جاتا ہے، بڑی چیز یہی ہے۔

نفس اور شیطان انسان کے کھلے ہوئے دشمن ہیں لیکن شیطان کا کید کمزور ہے ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ یقیناً شیطان کا فریب کمزور ہے۔

مگر نفس کا معاملہ بہت سخت ہے ﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ اور میں اپنے نفس کو بھی بالذات بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوتے ہیں۔

بھئی یہ مدرسے دینی قلعے ہیں، دین کی حفاظت ان سے ہوتی ہے، علم

حاصل کرنا بہت بڑی دولت ہے اس لئے طلبہ کو چاہئے کہ علم حاصل کریں اور نیت بھی درست کریں، کیونکہ نیت کی درستگی بنیادی چیز ہے اور نیت کی درستگی یہ ہے کہ ہم اس لئے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے، اور جب علم حاصل ہو جائے تو عمل کرنے کی کوشش پورے طریقہ سے کرنی چاہئے، اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بنائیں، جو کچھ پڑھا ہے اس کو عمل میں لائیں، عبادت میں، معاملات میں، معاشرت میں اتباع سنت کا اہتمام کریں، اور عمل اسی وقت قابل قبول ہوگا جب اس میں اخلاص ہو، بڑے سے بڑے جید علماء مشائخ کے پاس کیوں گئے؟ سنئے! اس لئے گئے کہ جو ہم نے پڑھا ہے، علم حاصل کیا ہے اس کا اثر ہمارے قلب پر آجائے، عمل کی توفیق ہونے لگے، اس میں اخلاص پیدا ہو جائے، جب یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے تو آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، میرا ہی ایک شعر ہے ؎

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں

علم و عمل میں اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اللہ کے علاوہ کسی غیر کی آمیزش نہ ہو، نہ نفس کی، نہ شیطان کی، نہ ریا کی، نہ بڑائی کی، آدمی جو کچھ حاصل کر رہا ہو وہ صرف اللہ کے لئے حاصل کر رہا ہو، علم بغیر عمل کے بے فائدہ اور عمل بغیر اخلاص کے بے قیمت، دیکھئے! جس طرح چائے تین چیزوں سے مل کر بنتی ہے، دودھ، شکر، چائے کی پتی، کوئی صرف چائے کی پتی پھانک لے تو

اسے چائے پینا نہیں کہیں گے، جب یہ تینوں چیزیں ملتی ہیں تو عمدہ لذیذ چائے تیار ہوتی ہے اسی طرح جب علم و عمل کے ساتھ اخلاص بھی ہوتا ہے تو وہ علم کار آمد و مفید ہوتا ہے، علم سے مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی جب بنیاد پڑی تو کچھ دنوں کے بعد خلیفہ مدرسے کا جائزہ لینے گیا کسی طالب علم سے دریافت کیا کہ کس غرض سے تم پڑھتے ہو؟ تو کہا کہ میرے والد قاضی ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ پڑھ کر قاضی ہو جاؤں، دوسرے سے پوچھا کہ تم کس لئے پڑھتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میرے والد مفتی ہیں اس لئے میں پڑھ کر ان کی جگہ مفتی ہونا چاہتا ہوں، اس طرح جس سے بھی پڑھنے کی غرض پوچھی اسی قسم کا جواب دیا جس سے خلیفہ مدرسہ سے بہت ہی بد دل ہو گیا اور مدرسہ کو ختم ہی کرنے کو سوچ لیا تھا کہ ان دنیاداروں کے لئے کیوں مدرسہ باقی رکھوں، اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی پڑھتا ہی نہیں ہے، مگر اخیر میں ایک طالب علم کو دیکھا کہ ایک گوشہ میں کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے تو اس سے دریافت کیا کہ صاحب زادے! آپ کس غرض سے پڑھ رہے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ ہم نے دلائل سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک رب ہے جو ہمارا مالک ہے، ہمارا خالق ہے، لہٰذا ہم اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ اس کی مرضیات اور نامرضیات کا علم ہو جائے کہ وہ کس چیز سے راضی ہوتے ہیں اور کس چیز سے ناراض ہوتے ہیں تاکہ اس کے مطابق عمل کر کے

ان کی رضا حاصل کریں، یہ سن کر خلیفہ خوش ہوا اور مدرسہ کو باقی رکھنے پر تیار ہو گیا، جانتے ہو وہ طالب علم کون تھے؟ وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

یہ دینی مدارس دراصل دینی قلعے ہیں، ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مدد کرے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ یہاں مدرسہ قائم ہے، جہاں سے دین کا کام ہو رہا ہے، جہاں طلبہ پڑھ رہے ہیں، قرآن حفظ کر کے یہاں سے نکل رہے ہیں، دستار بندی بھی ہوتی ہے۔

اخیر میں پھر سنو! علم، عمل اور اخلاص، یہ تین چیزیں ہیں، جب کسی کو یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو وہ اللہ والا ہو جائے گا، کامل ہو جائے گا، اس لئے ان تینوں چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں، طاعات کو بجالائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ علم، عمل اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اس مدرسہ کو ترقی دے۔ آمین یارب العالمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

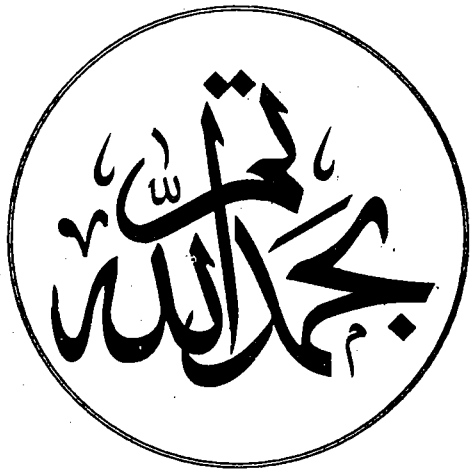

"روح البیان" کا تیسرا اور آخری حصہ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہوا، حق تبارک وتعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازیں، اور صاحب مواعظ کے لئے رفع درجات اور ہم قارئین وناشرین کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں۔ آمین ثم آمین

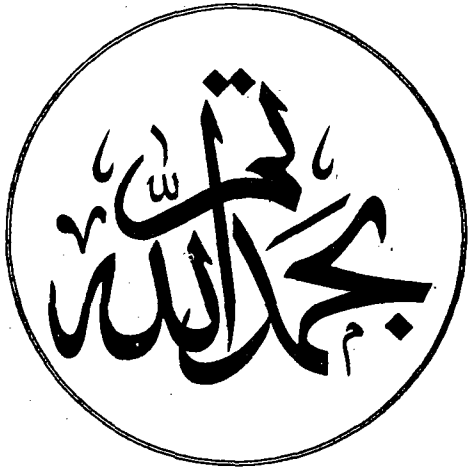

"روح البیان" کا تیسرا اور آخری حصہ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہوا، حق تبارک وتعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازیں، اور صاحب مواعظ کے لئے رفع درجات اور ہم قارئین وناشرین کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں۔ آمین ثم آمین